مرتبۂ

سید شبیہ الحسن رضوی ہلوری

بی ایس سی کلاس

۱۹۳۹ء

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

# شمیم سخن

معروف بہ

## گلدستۂ مشاعرہ بزمِ ادب ہلور ضلع بستی

بیادگار شادی

عزیزم سید محمد شمیم احمد سلمہٗ فرزند جناب سید محمد طفیل احمد صاحب مختار

مرتبہ

سید شبیہ الحسن رضوی

بی، ایس سی کلاس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۹۳۹ء

یہ گلدستہ، بزمِ ادب ھلور کے ان معزز اراکین سے منسوب کیا جاتا ہے جو اردو زبان کی موجودہ کشمکش کا احساس رکھتے ہوئے اس کی محافظت اور اشاعت کی تڑپ اور ہماری شاعری کا صحیح مذاق رکھتے ہوئے انجمن مذکور کو اپنی پرخلوص اور گرانقدر خدمات سے مستفید فرماتے ہیں :-

**ناچیز مرتب**

# فہرست

# تعارف

## از جناب رشید احمد صاحب صدیقی

(صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

شبیہ الحسن صاحب رضوی نے اس گلدستہ کو بڑی محنت و محبّت کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ یہ سائنس کے طالب علم ہیں اور ہم سب جانتے ہیں کہ اونچے درجے کے سائنس کے طلبا اپنے مضمون کی تیاری میں کتنے منہمک رہتے ہیں، چنانچہ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ شعر و شاعری یا سائنس کا انکے ہاتھوں کیا حشر ہونے والا ہے خود میرا ان کے ہاتھوں جو حشر ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔

رضوی صاحب کی فرمائش تھی کہ میں ان اوراق کا مطالعہ کرکے اپنے خیالات قلمبند کردوں میں بڑی خوشی سے آمادہ ہوگیا، اس لئے نہیں کہ مجھے خواہ مخواہ لکھتے رہنے میں کوئی لطف آتا ہے بلکہ ایسا نہ کرنے سے اپنے ایک عزیز طالبعلم کو مایوسی ہوتی وہ بھی ایسے طالب کی جنھیں اردو سے کوئی خاص لگاؤ ہونا ضروری نہ تھا لیکن انھیں اردو سے محبّت ہے۔

اردو سے مجھے بھی الفت ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اردو پڑھنا پڑھانا میرا پیشہ ہے یا میں مسلمان ہوں یا اسی طرح کا کوئی اور سبب۔ اردو چیز ہی ایسی ہے جس سے ہر اچھے ذوق رکھنے والے کو محبت ہونی چاہیئے اس میں میں نے سب سے اچھی باتیں سنیں۔ اپنے شوق کی باتیں بڑے فخر بڑے لطف اور بڑے اعتماد سے سنائیں، دل کی گہری سی گہری، بلند سے بلند، نازک سے نازک باتوں کو آواز اور

معنی کے اچھے سے اچھے پیرایہ میں پیش کر سکا۔ لیکن یہاں اپنی محبوب ترین کمزوریوں کو کیوں بے نقاب کر دوں۔

اردو کے خلاف آجکل جیسی کارروائیاں ہو رہی ہیں، رضوی صاحب نے اُن پر اپنے خیالات کا اظہار بڑے خلوص سے کیا ہے۔ کہیں کہیں وہ جذبات کے تلاطم میں کھوئے بھی گئے ہیں، انھیں اپنا کھویا جانا اچھا بھی معلوم ہوتا ہوگا اس لئے کہ نوجوانوں کو یہ چیز بہت مرغوب ہوتی ہے، کہیں کہیں ان کا لہجہ جادۂ اعتدال سے منحرف ہو گیا ہے، نوجوانوں کو یہ چیزیں زیب بھی دیتی ہیں، مناسب ہونے کا سوال دوسرا ہے۔

تاہم اتنا کہہ دینے میں کوئی ہرج بھی نہیں کہ سائنس کا طالب علم جذبات کا بندہ نہیں ہوتا اس کی سب سے بڑی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر بات نپی تلی کہتا ہے، نہ عبارت میں حشو و زوائد سے کام لیتا ہے اور نہ جذبات کے بھنور میں غرقاب ہونا اسکے شایانِ شان ہے، رضوی صاحب نے اشعار کے سراہنے میں بھی دو ایک جگہ مبالغہ اور عقیدت سے کام لیا ہے۔

اردو ہندی کا مسئلہ اب علمی و لسانی مسئلہ نہیں رہا، تمدنی بھی نہیں بلکہ قطعاً سیاسی، اور ہندوستان کی فضا آجکل جیسی مکدر و متعفن ہو رہی ہے وہ بھی کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اردو کوئی بدیسی چیز نہیں ہے، نہ بدیسیوں نے اسے رواج دیا۔ یہ یہیں کی پیداوار ہے اور یہیں کے لوگ اسکا مان دان کرتے آئے ہیں، اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوئی لیکن مسلمان اسے نہ تو اپنے ساتھ لائے اور نہ تنہا وہ خود اسکے بنانے بڑھانے اور سنوارنے کے ذمہ دار ہیں، ہندوستان والے انصاف اور انسانیت کی نظر سے دیکھیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان کے آنے سے پہلے ہندوستان متفرق و منقسم تھا، تمدن ہندوستان

اور مشترک زبان کی برکت مسلمانوں ہی کی دی ہوئی ہے مسلمانوں نے ہندوستان پر ہندوستانی ہو کر حکومت کی - یہ انکے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ زبان اور قومیت کا جو تاج محل وہ کھڑا کر رہے ہیں وہ مسرّ ( عزت کے ساتھ یاد کئے جانیکے بجائے خود غرضی و تنگ نظری کا طوفان برپا کر دیگا - ہم ہندوستانیوں میں عجیب بات یہ ہو کہ ہم اسباب پر غور نہیں کرتے، نتائج پر لٹو ہوتے ہیں، ایک خاص تمدن، ایک خاص زبان، ایک خاص حکومت، روس، جرمنی اور اٹلی میں ملتی ہیں، اسکے علاوہ اکثریت و اقلیت کی جو نیرنگیاں یورپ میں دیکھنے میں آتی ہیں وہی ہم یہاں دیکھنا چاہتے ہیں - غور کرنا چاہئے کہ جب تک ہندوستان کے زمین و آسمان ہی منقلب نہ ہو جائیں یہ باتیں یہاں کیونکر میسر آسکتی ہیں مطلق العنان حکومتوں کی سب سے بڑی قوت، جمہوریت یا محکومیت کے حق میں سب سے بڑا افساد ہے جسکو کبھی گوارا نہیں کیا جا سکتا - یورپ ایک عرصے سے میدان جنگ بنا ہوا ہے، میدان جنگ کے قوانین، امن و صلح کے زمانہ میں مضر ہی نہیں مہلک ہوتے ہیں - پھر یہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ میدانِ جنگ بھی مختلف ہوتے ہیں، ایک جنگ تو بیرونی دشمنوں سے ہوتی ہے، دوسری آپس میں سر پھٹول اور گالی گلوچ - بیرونی دشمنوں سے عہدہ برآ ہونے کی تدابیر اور ہیں آپس کے مناقشات اور طرح سے دور کئے جاتے ہیں - ہندوستان میں نہ تو خالص اسلامی حکومت ہو سکتی ہے، نہ خالص ہندو راج - یا تو دونوں کے اتفاق سے حکومت متحدہ ہو گی یا پھر محکومیت تو کہیں گئی نہیں ہے!

اب دیکھنا یہ ہے کہ اُردو کے معاملے میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمان جو چاہیں کریں لیکن اس بات کو فراموش نہ کریں کہ اس زبان کے بنانے سنوارنے میں ہندوؤں کا بھی حصہ ہے اس لئے زبان کو

اپنا لینے کے بجائے اس کو ہمہ گیر بنانے کی کوشش کریں، ان کو ہمیشہ یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اصلی اور سچی زبان وہی ہے جس کو زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھیں اور اپنے لئے مفید پائیں۔ اس لئے ہمکو چاہئے کہ جہاں تک ہوسکے اور جس طرح ممکن ہو ہم اردو کو ایسی چیز بنا دیں کہ ہر شخص اس سے فائدہ اور لطف اٹھائے۔

رضوی صاحب نے مشاعرہ اور تقریب کے حالات بڑی خوبی سے بیان کئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس محفل کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے حالات و واقعات کا قلمبند اور شائع ہو جانا ضروری ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اس سے اُردو کو تقویت پہونچے گی اور ہمارے تمدن کا ایک پہلو نمایاں طور پر آئندہ نسلوں کے سامنے آتا رہے گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خیالات بڑے مستحسن ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ جو کام رضوی صاحب کر رہے ہیں اس سے اتنا نفع نہ پہونچے گا جتنا کہ اس تقریب کے سلسلے میں معمولی سی معمولی کوئی یادگار قائم کر دینے سے ہو سکتا تھا۔ مشاعرے ہماری سوسائٹی میں بہت مقبول ہیں، اتنے مقبول کہ ہم اپنے بڑے سے بڑے فرائض کو بھی مشاعرہ ہی سمجھنے لگے ہیں۔ ہر جگہ واہ واہ، ہو حق، چہل پہل، شور و شغب اور کبھی کبھی مار پیٹ، اس کے بعد پھر کچھ نہیں! غور کیجئے تو آپ مسلمانوں کے ہر کام میں یہی باتیں پائیں گے اور یہ کچھ اچھی بات نہیں ہے۔ مشاعرہ ہر جگہ کامیاب رہتا ہے، قوم ہر جگہ رسوا ہوتی ہے۔ اس کی بھی کچھ فکر کرتے رہئے۔

رشید احمد صدیقی

# حکایاتِ بیگانہ

ایک زمانہ تھا جب لوگ سمجھتے تھے کہ زبان کا مسئلہ صرف ادبی مسئلہ ہے اور کسی قوم کی تہذیب و تمدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن گذشتہ سو سال کی تاریخ نے ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا مسلمانوں کی سلطنت کا ستارہ جب انقلاب کے سیاہ بادلوں میں چھپ گیا اور ہندوستان میں فرنگی حکومت قائم ہوئی تو مشرقی تربیت اور ہماری لائق ناز روایات کو نقشِ باطل کی طرح مٹانے کے لیے جو سیاسی چال چلی گئی وہ صرف ذریعہ تعلیم کی تبدیلی تھی۔ انگریزوں نے ہماری تہذیب کو خراب کرنے کے لئے ظاہرا کوئی کوشش نہیں کی صرف انگریزی کو سرکاری زبان اور ذریعہ تعلیم قرار دیدیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو ماہرینِ علم و فن حکومت کے اعلیٰ مدارج کے لائق نہ ٹھہرے دوسری طرف سرکاری ملازمت کی ہوس میں انگریزی زبان میں ہم نے وہ مہارت حاصل کر لی کہ تم کو تُم اور ہم نہیں جانتے کو "ہم نہیں جانتا تم کس مافک بات کرتا ہے" بولنے لگے۔

ذریعہ تعلیم سے تربیت کی متاثر ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ تعلیم یافتہ گھرانوں کا مستجمد شرفا آج بھی شیروانی پاجامے کو آبائی لباس سمجھتے ہیں اور موقع موقع پر سعدی کے اشعار زبان پر آہی جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انگریزوں نے ہمارے مذہب کو بالکل آزادی دیدی تھی۔ اسکولوں میں عربی فارسی اور اردو زبانوں کی تعلیم کا انتظام تھا لیکن صرف اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ انگریزی قرار دینے سے ہماری

ذہنیت بدل گئی۔ اخلاق وعادات اور نسلی امتیازات کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزی میں دستخط کر کے تفاخر کا احساس ہونے لگا۔ قومی روایات اور تہذیب و تمدن سے ادائے بیگانگی پیدا ہو گئی مذہبی جذبات اور قوت ایمانی میں فرق آ گیا انگریزی خیالات دل و دماغ کے محفوظ ترین گوشے میں جڑ پکڑ کر ہماری فطرت ثانیہ بن گئے۔ لباس بدل گیا چال ڈھال میں فرق آ گیا۔ رنگ و روپ بگڑ گیا۔ طرز کلام مٹ گیا۔ غرض اک رنگ سے ذرا نیاز مند ہونا پڑا ورنہ اندر سے پورے "صاحب" ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ زبان قومیت کی زندہ تصویر ہے اور لٹریچر کی ترقی قوم کی روحانی ترقی ہے۔ کسی تہذیب کی فنا و بقا کسی قومیت کی تعمیر و تخریب اور کسی مذہب کا ثبات و عدم صرف زبان کی فنا و بقا پر منحصر ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کے مقولے کے مطابق "کوئی تاریخی شہادت ایسی نہیں ملتی کہ کوئی سلطنت یا مملکت اس وقت تک اوسط درجے کی خوش حالی و فلاح سے محروم کی جا سکتی ہو جس وقت تک اس کے افراد اپنی زبان کو پسند کرتے اور اس کی طرف کافی توجہ کرتے رہے ہوں۔"

لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اردو کے مخالفین انگریزوں کی پالیسی کے مطابق اُردو ہندوستانی کا غلغلہ مچا کر ہندی اور سنسکرت کی ترویج کر رہے ہیں اور ہمیں یہ کہکر بہکانا چاہتے ہیں کہ بغیر کسی مشترکہ زبان کے ہندوستانیوں کے اختلافات باقی رہیں گے اور متحدہ قومیت کی تشکیل ناممکن ہو گی۔ غدر کے پہلے ہندوستانیوں کی ذہنیت کم از کم زبان کے بارے میں ان فتنہ انگیزیوں سے پاک تھی چنانچہ ۱۸۳۵ء میں جب فارسی کی جگہ عدالت میں اُردو کا رواج ہوا تو کسی نے بھی اعتراض

ہند کیا، دراصل لسانی جنگ غدر کے بعد سے شروع ہوئی کیونکہ اس وقت ہندوستان
میں ایک نئی قومیت کی روح پیدا ہو رہی تھی جس کے لئے اپنی قومی زبان بھی
الگ بنانے کا خیال پیدا ہوا جو کہ فرقہ پرستی (Communalism.)
کی طرف پہلا قدم تھا۔

سب سے پہلے اس فساد کا بیج بہار میں بویا گیا جس کی بیلیں بعد کو یو پی
تک پھیل گئیں اس وقت سرسید مرحوم نے بے حد اختلاف کیا چنانچہ وہ لکھتے
ہیں کہ "میں نے اس کے پہلے جو کام کیا وہ تمام ہندوستان کے لئے، لیکن جب
لوگوں نے اُردو پر حملے کئے تو یقین ہو گیا کہ اب ہم مل کر کام نہیں کر سکتے"۔ اس
زمانے میں اخباروں اور رسائل میں اُردو کی حمایت میں پرزور مضامین نکلے
اور کچھ دنوں کے لئے یہ جھگڑا دب گیا لیکن مسٹر میکڈانلڈ جب یو پی کے گورنر
ہو کر آئے تو اس فتنہ کو پھر اُبھار دیا۔ کیونکہ وہ بہار سے آرہے تھے جو اس تنگ نظری
کا اصل مرکز تھا۔ غرض یہ لڑائی مہاتما گاندھی اور پنڈت مالویہ وغیرہ کے دم اور
قدم کی بدولت کش و پیش برابر جاری رہی اور اب تو اس بات کا بیڑا اٹھا لیا
گیا ہے کہ اُردو زبان کو ہندوستان سے مٹا کر رہیں گے، کیونکہ یہ قرآن کے
حروف میں لکھی جاتی ہے۔

اب ایک طرف تو اُردو کی مشکلات کا گلہ اور فارسی و عربی الفاظ کے نکال
دینے کا اصرار ہے اور دوسری طرف سنسکرت کے ایسے دقیانوسی اور کھوسٹ
الفاظ کی بھرمار ہو رہی ہے کہ مسلمان کیا ہندو بھی سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں چنانچہ
۱۹۳۶ء میں بھارت ساہتیہ پریشد کے اجلاس میں جو ناگپور میں منعقد ہوا
تھا اس میں گاندھی جی نے اپنا خطبہ صدارت پڑھ کر صاف و سلیس اور عام فہم زبان کا

نمونہ پیش کیا تھا جو ہندوستان کی مشترکہ زبان بنائی جانے والی ہے۔
کہتے ہیں "اس سبھا کا سبھا پتی ہونے کا کارن جب میں ڈھونڈھتا ہوں تو
وہی پرتیت ہوتے ہیں ایک میرا ساہتیہ کا رنہ ہونا اور اس لئے کم سے کم
دولیش کا کارن ہونا تھا دوسرا میرا ہندوستان کی سب بھاشاؤں کا
پریم۔ جو کچھ ہو میں آشا کرتا ہوں کہ ہم کچھ نہ کچھ سیوا کریں گے اور بھوشیہ میں اپنا
شیو اکشیتر بڑھادیں گے .... اس پردیش کے پرتیک بھاگ کے ساہتیہ کار بھاشا
شاستری ایتادی آپس میں کیوں نہ ملیں اور بھن بھن بھاشاؤں دوارا
ہندوستان کی ایکتا یوگیہ سیوا کیوں نہ کریں" (رسالہ جامعہ مئی ۳۸ء)

اس سے قبل کانگریس نے رفع شر کے لئے زبان کا نام ہندوستانی
رکھدیا تھا مگر گاندھی جی نے اسی جلسے میں "ہندی" کی تجویز کی۔ مولانا عبدالحق
صاحب نے جب کانگریس کی وہ تجویز پیش کی تو گاندھی جی نے فرمایا کہ وہ
تجویز میری ہی تھی اور اس کا مطلب "ہندی" سے تھا بالآخر انھوں نے ایک نیا
لفظ ایجاد کیا یعنی "ہندی ہندوستانی" اور کہا "ہندی وہ ہے جو کتابوں میں
ہے بول چال میں نہیں اور ہندوستانی وہ ہے جو بول چال میں ہے
کتابوں میں نہیں" بعد کو "ہندی ہندوستانی" کا لفظ تو مہمل سارہ گیا، زبان
کی تعریف یہ قرار پائی کہ وہ "زبان جو شمالی ہند میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور
جس میں سنسکرت اور عربی فارسی کم ہے"

سمجھ میں نہیں آتا کہ گاندھی جی عربی فارسی الفاظ سے اسقدر خائف کیوں
ہیں مشکل اور ادق تحریر کا رونا روتے تو ایک بات بھی تھی حالانکہ مشکل اور
آسان الفاظ بھی صرف اضافی حیثیت رکھتے ہیں یعنی ایک چیز جو میرے لئے مشکل

ہے دوسرے کے لئے آسان ہو سکتی ہے۔ اُردو میں سیکڑوں اسالیب ہیں جہاں آسان اور سادہ زبان درکار ہوتی ہے وہاں سادگی کا دریا بہایا جاتا ہے اور جب مقام پر شاندار بیان کی ضرورت ہوتی ہے وہاں صوتی لحاظ سے ذرا ہیبت ناک الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اُردو کے مشہور شاعر میر انیس کا کلام دیکھئے جہاں عام طور سے واقعہ بیان کرنا اور موقع کی تصویر کھینچنی ہے وہاں گاندھی جی کی طبیعت کے مطابق کہتے ہیں ع جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں" لیکن رعب و جلال دکھانے کے لئے دوسری جگہ لکھا ہے۔ ع نکلا دکارتا ہوا ضیغم کچھار سے" گاندھی جی اپنی سیاسی ترنگ میں زبان کی بلاغت اور نزاکت کو ٹھکرا کر صرف اس بات سے نالاں ہیں کہ یہاں لفظ ضیغم کیوں استعمال ہوا یہ تو عربی ہے۔ اب انھیں کون سمجھائے کہ بول چال یا معمولی تحریر میں ایسے الفاظ تو خود ہی نہیں آتے جن کا محل نہیں ہوتا۔ پھر عربی فارسی الفاظ کو نکال کر زبان کا دامن کیوں تنگ کیا جائے۔ البتہ اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ بھونڈے اور غریب الفاظ کے استعمال اور پیچیدہ و مغلق تحریر سے احتراز لازم ہے مگر یہ کام تو ادیبوں کا ہے جن کی رہنمائی کے لئے دگاندھی جی سے زیادہ خود ان کا مذاق سلیم کافی ہے لیکن وہ تو زبان کی ہمہ گیری اور آسانی و دشواری کا معیار اپنی مخصوص سیاست سے قائم کرنا چاہتے ہیں۔

پھر جو الفاظ اُردو میں بے تکلف رائج ہیں انھیں کسی دوسری زبان سے کیوں منسوب کیا جائے؟ ہماری زبان میں سنسکرت۔ عربی۔ فارسی، ترکی، پرتگالی بھاشا اور انگریزی وغیرہ تمام زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور سب کے سب اب اُردو ہیں خواہ اصلی حالت میں ہوں خواہ اپنی صورت بگاڑ چکے ہوں

مثلاً آرہ، اُدھار، اُسترا، بیمہ، بیعانہ، پیادہ (پشرادہ) توا، توبڑہ، تاپوشک
چپراسی، رومال۔ روزگار، ہلدی۔ صابون، نگر، کاسہ گر، وغیرہ سب کے
سب فارسی ہیں اور بلا تفریق مذہب و ملت بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح حلوا،
قمیص، تماشا، خیرات، تکرار، طوفان، خاطر، غم وغیرہ عربی ہیں۔ اچار، بالٹی
بٹن (بوتام)، پپیا، میز، نیلام وغیرہ پرتگالی ہیں۔ اردلی۔ تولیا۔ درجن۔
فلالین۔ بسکٹ۔ پنشن، پستول۔ بوتل۔ ٹکی، اور گلاس وغیرہ انگریزی ہیں،
یہ تمام الفاظ اردو میں اس طرح رائج ہیں کہ شبہ بھی نہیں ہوتا کہ کسی اور
زبان کے ہیں اور دیہاتی گنوار بھی بخوبی بولتے اور سمجھتے ہیں۔

مشترکہ زبان کے متعلق گاندھی جی کا یہ خیال نہایت مناسب ہے کہ
"ایسی صاف اور عام فہم ہو کہ شمالی ہند میں بلا تفریق مذہب عام طور سے
سمجھی اور بولی جائے۔ نام ہندوستانی ہو اور رسم الخط اردو و ہندی دونوں
ہوں"۔ مگر ان کے فعل سے ان کے اس قول کی تطبیق و تصدیق نہیں ہوتی۔
انھوں نے اسی عام فہم ہندوستانی میں سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ
بھی استعمال کرنے کے لئے بار بار اعلان کیا اور اعتراض کرنے پر جواب دیتے
ہیں کہ ہم سنسکرت الفاظ اس لئے داخل کرتے ہیں تاکہ جنوبی ہند والے
بھی اسے اپنی زبان سمجھنے لگیں۔ ظاہرا یہ جواب لاجواب سا معلوم ہوتا ہے
لیکن غور کیجئے تو فریب کا پردہ چاک ہوتا نظر آتا ہے۔ دراصل جنوبی ہند میں
سنسکرت الفاظ صرف کلاسکس (اعلیٰ ادبیات) میں ہیں بول چال میں اتنی
زیادتی ہرگز نہیں ہے وہاں کے باشندوں نے اخباروں میں اس کی
خود مخالفت کی ہے اور جدید ہندی (اور "ہندی پرچاروں") سے سخت ناراض

ہیں۔ مولانا عبدالحق صاحب صدر انجمن ترقی اردو ہند نے دریافت حال کے لئے اسی سال خود جنوبی ہند کا دورہ کیا ہے انھیں معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے باشندے زبان میں سنسکرت کی ٹھونس ٹھانس کو بالکل نہیں پسند کرتے۔ یہاں تک کہ اسی بنا پر برہمنوں اور آریوں کو غیر ملکی کہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ لوگ ہندی ہندوستانی کے دھوکے سے انھیں سنسکرت سکھانا اور خود ان کی تہذیب کو مٹانا چاہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ دکھن میں اردو اکیڈمی کے جلسہ میں ایک ہندو لڑکی نے آیت قرآن سے افتتاح کیا۔

یوپی کانگریسی حکومت کی طرف سے ۱۵ر جنوری ۳۹ء کو تمام صوبے میں یوم تعلیم منایا گیا اور اس موقع پر چھپرا کے منتظمین نے ہندو مسلم شرفا کو جو دعوت نامہ بھیجا اس کی زبان پر وجد آتا ہے "پرانتیہ سرکار کے آدیش انوسار ۱۵ر جنوری ۳۹ء چھوپا کوٹ سرکل میں بھی شکھا پرسار کا اتسوا تیت سمارو کے ساتھ نیچے لکھے کارج کرم کے انوسار منایا جائیگا۔" "پرائمری اسکول پر ایک برہت سبھا مولانا اقبال احمد صاحب سہیل ایم۔ ایل۔ اے کی ادھیکشتا میں ہوگی" وغیرہ (الامان یکم فروری ۳۹ء) اسی طرح پنڈت مدن موہن مالویہ کا جو پیغام آیا تھا وہ اس قدر ثقیل تھا کہ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی سمجھنے سے قاصر تھے۔

لکھنؤ اردو زبان کا ایک مرکز مانا جاتا ہے۔ جہاں ہندو بھی "کوثر کی دھلی" پسند کرتے ہیں اور صاف اردو بہترین لب و لہجہ میں بولتے ہیں۔ مگر غضب ہے کہ صوبہ متحدہ کے وزیر تعلیمات سری سمپورنانند جی کی تقریر کو گورنمنٹ کی طرف سے ذیل کے الفاظ میں (ہندوستانی زبان میں) شائع کیا گیا۔

"شکشا سنگھٹن تمت کے سمکش سنکیت پرانت کے شکشا سچیو مانیئے شری سمپورنا نندجی کا دیا گھیان ربر کاش وبھاگ سنکیت پرانئے گورنمنٹ) آدھنک کال جس میں ہم رہ رہے ہیں اس کی یہ بھی ایک شبھتا ہے کہ شکشا شمیا کے پرت لوگوں کا آگرہ شطر بیت وشدہ اور بیاپک ہو گیا ہے۔ یہ بات ادھکا فش سبھی سنسار پر گھٹت ہوتی ہے اور ترن سار ہم اپنے دیش میں بھی اس لشیو بیاپی اندولن کے بھن بھن پہلوؤں کو دیکھ رہے ہیں اور انکا ان بھون کر رہے ہیں آج کل ہم اپنے کو جس جانسک اور بیدرہار تک پر تھت میں پاتے ہیں اور ہماری اس استھت کا جو سماجک راج نیتک اور ارتھک ادھار ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہم نے اپنے پوروجوں سے جو سنسکرت پائی ہے اس وشیو دیا پی پرگت کو ہمارے سمکش سند یہ ایک نشچنس روپ میں ایشتھت کیا ہے اور ایک دشیس بھارتئے سمیہ بنا دیا ہے"

ان تمام مثالوں سے اس نئی زبان کی سلاست و روانی کا مرقع بخوبی پیش نظر ہو جاتا ہے یہی شہ پارے مخالفین اُردو کے نزدیک ہندوستانی زبان کے نمونے ہیں جو اس قدر صاف آسان اور عام فہم ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان کہی جانے کی مستحق ہے جنوبی ہند والوں کے بہانے سے سنسکرت کے نامانوس الفاظ کی زیادتی اور زبان کو عام فہم بنانے کے لئے عربی اور فارسی الفاظ کم کرنے کی ضد کی جا رہی ہے اور اس طرح "پانی" کے بجائے جو خود ہندی لفظ ہے "جل" کا رواج دے رہے ہیں "دیا سلائی" کے دونوں اجزا "دیا" اور "سلائی" ہندی ہیں لیکن چونکہ "چمن طرازی" وغیرہ کے وزن پر کسی فارسی لفظ کی جھلک پائی جاتی ہے اس لئے یقیناً مشکل لفظ ہو گا۔

جیسے عام لوگ نہیں سمجھتے، اس لئے اس کے بجائے نہایت فصیح اور ترنم بار لفظ
"رر دھوم شلا کا" نکالا گیا ہے تاکہ زبان پر آتے ہی دیا سلائی کے جلنے کی
آواز نہیں بلکہ "قدم گا تج" "چھوٹنے کا دھڑا کا پیدا ہو جائے یا کہیں ہٹلر سن
پائے تو خوفزدہ ہو جائے کہ شاید ہندی سپوتوں نے کوئی نئے قسم کی توپ
ایجاد کر لی ہے جبھی تو اکثر سیاسی لیڈر بھی خاص طور سے دلچسپی لیتے ہیں۔

اسی طرح وہ الفاظ اور اصطلاحیں جنھیں ہندوستان میں عام طور
سے لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں مثلاً صوبۂ متحدہ، برسات، کسان، میلہ، علاج،
آمدنی، حاضری، مقدمہ، مدعی، مدعا علیہ، ذمنی سوال مسل وغیرہ سب کے
سب مسترد قرار دیئے گئے ہیں اور اب یہ بالترتیب جیٹھ صوبہ، ورشا کرشک
اتسو، چکستا، آئے، ابستھتی، ابھی تھوک، جھگڑا دو جے، جھگڑا پہلاڑو، دم
سوال اور پوتھی کہلائے جائیں گے۔

فن ترجمہ چیخ چیخ کر رو تا تھا اور ہندی نوازوں کی بدھی اور بنائے"
کے لئے پرارتھنا کرتا تھا جب عدالت کے لئے پہلے پہل "جھگڑا گھر" وضع کیا گیا
جو معنی کے لحاظ سے بالکل الٹ گیا تھا بالآخر جب اُردو رسالوں نے بھی شور و غل
مچایا تو "نیائے گھر" مقرر کیا گیا۔ خدا سلامت رکھے ان پنڈت مہاراجوں کو جو
ہندوستان کی زبان اسقدر آسان اور عام فہم کر رہے ہیں کہ پہلے جب
دیہاتی بچے کہتے تھے "مائی مجھے میلا دکھا دو" تو ان کی مائیں اس مشکل عربی لفظ
(میلا) کو سمجھنے سے قاصر رہتی تھیں لیکن اب ان کے وضع کئے ہوئے فصیح لفظ
کو استعمال کر کے جب مائیں کہیں گی آج ہم لوگ اتسو جائیں گے تو بچے سمجھیں
یا نہ سمجھیں سہم کر ہرگز تقاضہ نہ کریں گے اس طرح والدین فضول خرچی سے بچ

جائیں گے اور اقتصادی دشواریوں کا بھی تھوڑا بہت حل ہو جائیگا۔

لطف تو یہ ہے کہ نئی ہندی رائج کرنے کی دھن میں بھاری بھرکم اور پتھریلے الفاظ استعمال کرنے کو تو کر دیتے ہیں مگر اندر سے دل خود گواہی دیتا ہے کہ یہ زبان مسلمانوں کو کون کہے ہندوؤں کی بھی سمجھ سے باہر ہے چنانچہ ابھی حال میں پنڈت وشواناتھ اور لالہ دولت رام نے پنجاب کے اسکولوں کے لئے آرٹ آف انگلش ٹرانسلیشن (ہندی) شائع کیا ہے جس میں ذیل کے جملے جو بجنسہٖ نقل کئے جاتے ہیں" قابل غور ہیں۔

"ڈاکٹر صاحب کئی دن سے میرے لڑکے کا چکستا (علاج) کر رہے ہیں صفحہ ۳۰ کیلا میرے اماشیہ (معدے) کے انوکل نہیں ۳۰ اپنی آئے (آمدنی) کو بڑھاؤ اور دئے (خرچ) کو کم کرو ۳۳ آؤ آج اتسو (میلا) دیکھنے چلیں ۳۷ جب میں اسکول پہونچا تو ودھیایک اپستھتی (حاضری) پکار رہا تھا ۴۰ جب اسکا مکان گرایا گیا تو اس نے میونسپلٹی پر ابھی تھوگ (مقدمہ) چلایا ۲۱ جب ابھی یوتک (ملزم) نے دیکھا کہ . . ۱۱ "(ہماری زبان دہلی)

ان جملوں میں چکستا آئے، ابھی یوتک وغیرہ کے پاس علاج، آمدنی اور ملزم وغیرہ الفاظ کا لکھنا صاف صاف بتا رہا ہے کہ پنڈت جی کو یقین ہے کہ وہ الفاظ غیر مانوس اور دشوار ہیں اور اسی لئے مجبوراً ان کے معنی سمجھانے کے لئے قوسین میں وہی الفاظ لکھنے پڑے جو ملک میں عام طور سے بولے اور سمجھے جاتے ہیں

ع کیا خوب بے نقاب ہوئے ہیں نقاب میں" مولانا عبدالحق صاحب اس کے خلاف لکھتے رہیں سر سپرو اس حماقت پر سر پیٹتے رہیں اور ہم پنڈت جی کی حرکت پر ہنستے رہیں انھیں تو کسی طرح اردو کو فنا کرنا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جب

پنجاب کے لوگ چکستا اور ابھی پوتک کے معنی بالکل علاج اور ملزم کی طرح سمجھنے لگیں گے تو کیا وہ کوئی پریم چند ہیں کہ دوسرے ایڈیشن میں ان عربی الفاظ سے اپنی کتاب کو گندی کریں گے۔ ؟

سچ تو یہ ہے کہ مخالفین اردو کے ردّے طنّاز اور قتال جہاں معشوقوں کی نیرنگ اداؤں سے کم نہیں ہیں، ایک کہتا ہے "ہندوستانی زبان ایسی ہونی چاہئے جو شمالی ہند میں بولی اور سمجھی جائے" دوسرا سنسکرا تا جاتا ہے اور یہ کہکڑیاں دیتا ہے کہ جنوبی ہند والوں کو بھی تو پھانسنا ہے۔ پنڈت وشوا ناتھ کی حیات آزما "سادگی و پرکاری" کا نمونہ اوپر دیا جا چکا ہے اسی طرح پنڈت گردھر شرما کی ادائیں بھی کچھ کم جان لیوا نہیں ہیں دیکھئے چارہ جوئی کے بہانے سے غریب زبان کے زخموں پر کیا خوب نمک پاشی کی ہے۔ موصوف نصیحت کرتے ہیں کہ ہندی میں سنسکرت کے نامانوس الفاظ نہ ٹھونسو لیکن وہ پیغام کس زبان میں ہے ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے۔ فرماتے ہیں۔

"سنسکرت مایا بنا کر آپ نے بنگال مہاراشٹر آدمی میں ہندی کا پرچار کر لیا کہ تو وہ کیول شکشیتوں کی بھاشا بن گئی۔ سروسدھارن اسے بالکل نہ سمجھ سکے تو کیا لابھ ہوا لابھ کیا بڑی ہانی ہو گئی۔ . . . ہندی بھاشا میں ہندی بھاشا کے شبد ہی پرتھام لینی چاہئے لیکن جب ان سے اوشکتا پوری نہ ہو تب سنسکرت بھاشا سے سرل شبد لینے چاہئیں"

کیا خوب، پنڈت جی! شاید آپ ہی کے لئے کہا گیا تھا ؎

زاہد و ساقی میں ضد ہے بادہ کش چکرمیں ہیں کہ لب پہ توبہ اور منھ ڈوبا ہوا ساغر میں ہے

سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ کانگریسی برسر حکومت ہونے پہ زبان کے معاملے

میں کچھ اس طرح پیش آئے جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے چنانچہ گشتی کتب خانوں اور مدارس شبانہ کے لئے مقامات کا انتخاب بڑے گوں کے ساتھ کیا گیا ہے پھر گذشتہ سال کے بجٹ میں جو رقم قلمی نسخوں کے تحفظ کے لئے منظور ہوئی وہ تقریباً سب کی سب بنارس کے کالجوں کو ملی جہاں سنسکرت اور ہندی کے مسوّدات محفوظ کئے جاتے ہیں (علی گڑھ میگزین) کیا حکومت یوپی اُن اداروں سے بے خبر تھی جو فارسی و عربی شہ پاروں کی حفاظت کر رہے ہیں ؟ ؎

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھکو ہ کیا مجال ؛ جانتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

ظاہر ہے کہ اس طرح اُردو کو ہر جہت سے صدمہ پہونچانے اور جدید ہندی کو پروان چڑھانے کے لئے طرح طرح کی کاروائیاں ہو رہی ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ ایسی زبان کو جسے مسلمان تو مسلمان ہندو بھی اپنی زبان نہیں تسلیم کرتے پورے ہندوستان کی مشترکہ زبان بنانے کا کیوں دعویٰ کیا جاتا ہے وجہ بالکل صاف ہے جو پہلے لکھی جا چکی ہے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بناتے وقت میکالے نے بظاہر یہ فریب دیا تھا کہ جملہ علوم وفنون کے حصول کا ذریعہ صرف انگریزی ہی ہو سکتی ہے لیکن اپنی ڈائری اور پرائیویٹ خطوط میں تحریر کیا تھا کہ "اس طرح ہندوستانی اندر سے انگریز ہو جائینگے" اب یار لوگ میکالے کا فریب کہاں سے لائیں، بات بنائے نہیں بنتی مگر تحریک کا نصب العین وہی اور بالکل وہی ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ زبان بنانے سے نہیں بنتی بلکہ صدیوں میں منجھکر خود تیار ہوتی ہے۔ اُردو کی تاریخ ابتدا سے آجتک نہایت شاندار اور سبق آموز ہے۔ یہ کسی خاص فرقے کی زبان نہیں بلکہ مختلف قوموں کے میل جول کا خوشگوار اور مزیدار نتیجہ ہے، اگر یہ صرف مسلمانوں کے حصّے میں آئی ہوتی تو پنڈت دیا شنکر نسیم

رتن ناتھ سرشار، نوبت رائے نظر تلوک چند محروم، جگت موہن رواں۔ بدری ناتھ سدرشن چکبست لکھنوی، پریم چند، فراق گورکھپوری، مہاراجہ کشن پرشاد کیفی دہلوی اور سپرو وغیرہ ایسے مشاہیر شعرا اور مایۂ ناز ادیب کہاں سے ہوتے؟

ہر ملک کی زبان اپنے جغرافیائی حالات اور قومی تہذیب و معاشرت کی آئینہ دار ہوتی ہے، چونکہ ہندوستانی قومیت کے دو نمایاں عناصر ہیں۔ ہندو اور مسلمان لہٰذا اردو بھی صحیح معنوں میں اس یکجہتی کا بہترین رکارڈ ہے۔ اور فطری طور سے ہندوستانی بولیوں کا تناسب اس کی لغت میں فارسی و عربی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس کے افعال تمامتر ہندی ہیں، روابط اور سابقے ولاحقے بھی سب سے زیادہ ہندی کے ہیں اسما میں ¾ ہندی کے ہیں اور ¼ ان چیزوں کے ہیں جو مسلمان اپنے ساتھ ہندوستان میں لائے اور آج انھیں اردو سے خارج کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں کیونکہ ان کے لئے کوئی زندہ لفظ ملنا دشوار ہے۔ مثلاً "کرتہ" کو ترک کردیں تو مالویہ جی پہنیں گے کیا؟ "شال دوشالا اور لحاف وغیرہ" نہوں تو موسم سرما میں گاندھی جی کی جان پہ بن آئے گی "حقہ نیچہ اور چلم" کو متروک کرکے مہاتماؤں کا نشہ پانی کیونکر ہوگا، "برف" کو برف کہکر نہ منگائیں گے تو دشوانا تھ جی پنجاب میں بھاپ بنکر اڑجائیں گے۔ مانا کہ "پردہ" ترک کردیں گے مستورات کی "صورت شکل" سے "چادر" اتار کر پھینک دیں گے، انصاف کشی کے شوق میں "ترازو" بھی توڑ ڈالیں گے "عینک" استعمال کرکے "چہرے" پر "سیاہی" نہ لگائیں گے "کرسی" پر بیٹھنا اور "تکیہ" لگانا چھوڑ دیں گے "لبادہ"، "قمیص کی آستین" "گلاب" "پستہ" "بادام" "انار" "شہتوت" "سیب" "ناشپاتی" وغیرہ و نیز "رکابی" "تشتری" "کفگیر" "چمچہ" "بندوق" وغیرہ سب کو کسی "صندوق" میں بند کرکے "جہاز" پر رکھکر معہ "ملاح" کے ڈبو دینگے

لیکن سوال یہ ہے کہ "مزدور" کو کیا کریں گے؟ اور ان کی حمایت میں جواہر لال جی سیاسی جوہر کیونکر دکھلائیں گے؟ لطف تو جب ہے کہ موصوف اپنا نام بھی تبدیل کردیں کیونکہ اس کے الفاظ بھی فارسی کے ہیں۔

منجملہ اور اعتراضوں کے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اردو کا رنگ روپ ایرانی ہے اس کے باغوں میں نرگس و سوسن کھلتے ہیں قمری و بلبل نغمہ سرائی کرتے ہیں، محبت میں شیریں و فرہاد، رزم میں رستم و سہراب غرض تشبیہات تمثیلات استعارے اور تلمیحات تمام عناصر ایرانی ہیں لیکن یہ اعتراض بھی سرے سے غلط ہے اور غالباً انھیں لوگوں کی زبانی ہے جن کی ساری زندگی سیاسی چکر میں گذر گئی اور ادبی مطالعہ کی بہت کم توفیق ہوئی ہے یا دانستہ طور سے اچھی زبان کو فرقہ پرستی کا رنگ دینے کے لئے نئی نئی چالیں چل رہے ہیں۔

ہندوستان میں ہندو مسلم میل جول کی وجہ سے زبان کو کون کہے دونوں قوموں کی رسومات و تہذیب حتیٰ کہ مذہب نے بھی ایک دوسرے کا رنگ قبول کر لیا اور اردو تو سراسر اسی مشترکہ تہذیب کی چشم و چراغ ہے پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس کا ادب کسی خاص فرقے کا آئینہ دار ہو کر رہ جائے چنانچہ ذیل میں وہ اشعار ملاحظہ ہوں جو خصوصیت کے ساتھ ہندو تہذیب و مذہب اور معاشرت کے حامل ہیں

کفر کچھ چاہئے اسلام کی رونق کے لئے (میرؔ) حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی ہیں

سانولے پن پر غضب دھج ہے بسنتی شال کی (نشاط) جی میں ہے کہہ بیٹھئے اب جے کنھیا لال کی

شیر کی کھال بچھا اور ملے تن پہ بھبوت (امانت) گاہ جوگی کی طرح رہتے ہیں آسن مارے

سانولے تن پہ قبا ہے جو ترے بھاری ہے لالہ کہتا ہے چمن میں کہ یہ گردھاری ہے

محسنؔ کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کی تشبیب ملاحظہ ہو معلوم ہوتا ہے

کوئی پنڈت جی اردو میں کتھا پڑھ رہے ہیں۔

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل ۔ برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن ۔ سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

اسی طرح تشبیہات و استعارے میں ہندوستانی نوادر ملاحظہ ہوں

جبین چاندسی زلفِ ناگ ربھونسر اسی (ولی)، کنول سے پاؤں نگاریں ہیں جھمکے لے خیار
مزا برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آبیٹھو (شوق) سپیدی بھی سیاہی بھی شفق بھی ابر باراں بھی
سبزۂ خط نے بڑھا دی ترے عارض کی بہا ۔ تھا جو لالے کا چمن کھیت ہوا دھانوں کا
صحرا کو بھی نہ پایا رشک و حسد سے خالی (آتش) کیا کیا جلا ہے ساکھو پھولا جو ڈھاکن میں
کبھی کاجل کبھی آنکھوں میں لگایا سرمہ ۔ رات تھا کون سا جادو جو جگایا نہ گیا
ترکش الینڈ سینۂ عالم کا چھان مارا (امانت) مژگان نے تیرے پیارے ارجن کا بان مارا

غرض کہاں تک مثالیں دی جائیں اردو شاعری ہندی تشبیہات و تلمیحات سے بھری پڑی ہے اگر اس نقطۂ نظر سے انتخاب کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہوگا

دراصل اردو زبان خود ہندو مسلم یکجہتی اور ملاپ کی بولتی ہوئی یادگار ہے۔ اس کی ترقی اور اٹھان پر دنیا کی تمام زبانیں چشم حیرت بنی ہوئی ہیں۔ آج اسکی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ تمام ہندوستان بلکہ دنیا کے دور دراز ملکوں میں اس کے بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں عربی اور سنسکرت وغیرہ کی طرح اس کا صرف و نحو بھی دشوار نہیں ہے اس میں ہندی کی لوچ اور نزاکت فارسی کی شیرینی و سلاست اور عربی کی شان و فصاحت سب کچھ پائی جاتی ہے۔ دنیا میں یہی اک زبان ہے جس کی تعمیر میں بہت سی زبانوں نے حصہ لیا ہے اور ترویج و اشاعت میں متعدد قوموں نے دستگیری کی ہے۔ پھر ہندوستان کی مشترکہ

زبان بننے کے لئے اس سے زیادہ کون زبان موزوں ہو سکتی ہے! ابھی اسی سال
مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے بنگال بہار اور بمبئی وغیرہ صوبوں کے ریڈیو نواز حضرات
سے دریافت کیا گیا تھا کہ وہ کس زبان میں گانے اور تقریریں سننا چاہتے ہیں
جواب میں اردو پسندوں کی اکثریت تھی یہ حال ان صوبوں کا ہے جہاں عام
طور سے اردو نسبتاً کم رائج ہے ورنہ متحدہ صوبہ کو شامل کیا جائے تو نتیجہ یہی
نکلتا ہے کہ پورے ہندوستان میں اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد ہر
زبان سے زیادہ ہے۔ اردو اپنے ظرف کی وسعت اور قوتِ انجذاب کی بنا پر
بھی مشترکہ زبان ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ چونکہ اس میں تمام زبانیں شامل
ہیں اس لئے خواہ کسی زبان کے الفاظ ملا کر بول جائے اس کی ہم آہنگی اور لچک پر
کوئی صدمہ نہیں پہونچتا۔ علمی، تقریری، اخباری، تجارتی، سیاسی، تاریخی غرض
ہر خصوصیت کی بنا پر یہ ہندوستان کی تمام زبانوں سے ممتاز ہے پھر تصنیف کی
قوت اور ترجمے کی صلاحیت تو اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس میں مختلف علوم وفنون
کے ترجمے ہو چکے ہیں تعزیرات ہند اور دیگر قوانین کی کتابیں موجود ہیں۔ شاعری
میں اس نے فارسی عربی سنسکرت اور بھاشا سب کی عطر کشی کر لی ہے اردو ایک
عظیم الشان لٹریچر کی بھی سرمایہ دار ہے اور ادبیات کا یہ خزانہ ہندوستانیوں کی
تہذیب ہندوستانیوں کے تمدن ان کے ذہنی ارتقا اور قومی زندگی کا آئینہ دار
ہے اس میں سب سے بڑی خامی طباعت کی دشواری تھی مگر اردو ٹائپ کی ایجاد
سے وہ بھی رفع ہو گئی اور اب بہت جلد ہر پریس اس قابل ہو جائیگا کہ نہایت
آسانی سے انگریزی چھاپہ خانوں کی طرح روزانہ اخبار نکال سکے اور کتابوں کی
طباعت کم سے کم وقت میں سر انجام کر سکے۔

ان تمام خوبیوں اور خصوصیتوں سے اُردو کا مستقبل نہایت تابناک اور اُمید افزا معلوم ہوتا ہے اور مخالفین کی تخریبی حرکات اور اس زبان کو مٹانے کی سعی لاحاصل پر بے اختیار ہنسی آتی ہے بقول حضرت سیماب اکبرآبادی "زبان کی زندگی قوم و ملک کی زندگی سے وابستہ ہے مگر اُردو کی حیات جاوداں پر اتنا بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر استداد ایام موجودہ قوم و ملک کو کسی طرح مٹا دینے پر قادر ہو بھی جائے اور ہندوستان کا کرہ ارض بالکل پلٹ جائے تو بھی اسپر عبرت و افسوس کا جو مرثیہ پڑھا جائیگا اس کی زبان اُردو ہو گی"

لیکن ان منطقی اصولوں سے اُردو کو ہندوستان کی مشترکہ زبان ثابت کر کے مطمئن ہو رہنا کافی نہیں ہے' پانی کی مستقل دھار پتھر کو بھی کاٹ دیتی ہے اگر مخالفین کی کوششیں اس کے خلاف پیہم جاری رہیں تو اندیشہ سے خالی نہیں اس لئے ہمیں مخالفت جھونکوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

اُردو میں ادبی تصنیفات تو کافی ہو چکی ہیں یا جو کچھ خامی رہ گئی ہے وہ دور ہو کر رہے گی اب ضرورت ہے کہ اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی سخت کوشش کی جائے تاکہ اس میں تمام علوم و فنون منتقل ہو جائیں اور ہر صورت سے اس کی تکمیل ہو جائے خدا کا شکر ہے کہ مسلم یونیورسٹی نے اس ضرورت کا احساس کر کے نصاب کے ترجمے کے لئے دس ہزار روپیہ منظور کر دیا ہے اور اب مستقبل قریب میں تمام علوم کی تعلیم اُردو میں ہو گی۔

اس کے بعد جو سب سے اہم چیز ہے وہ زبان کی اشاعت ہے سینما اندنوں پروپیگنڈے کا سب سے بڑا آرگن ہے۔ کیونکہ ایکٹنگ کی مدد سے الفاظ کے مطالب لوح ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔ افسوس ہمارے پاس کوئی فلمی کمپنی نہیں ہے جو زبان کی

نشر و اشاعت اور قوم کی خاطر خواہ اصلاح کر سکے ڈرامہ نگاری بھی مدارج ترقی میں سست رفتار ہے کیونکہ یہ صنف اسٹیج کی محتاج ہے اور ہمارے ڈرامے مشکل سے کہیں قبول کئے جاتے ہیں لہذا اردو والوں کا فرض ہے کہ متفقہ طور سے ایسے فلم ہرگز نہ دیکھیں جن کی زبان کانوں کو بار معلوم ہو۔ اسی طرح ریڈیو رکھنے والے حضرات کو چاہئے کہ اگر کسی اسٹیشن سے مالویہ اور ٹنڈن جی کی مخصوص لغت کے بھدے بیلے الفاظ میں تقریریں نشر ہوں تو شور مچائیں اور خطوط لکھکر عام فہم زبان کا مطالبہ کریں تاکہ مینیجر صاحبان راہ راست پر آجائیں۔

ڈاکخانوں میں خطوط کے پتے دیکھ کر بھی آجکل ہندی و اُردو جاننے والونکی تعداد کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے انگریزی والوں بلکہ "لنگنگ ریڈر خوانوں" کو بھی یہ مرض لاحق ہوتا ہے کہ پتہ انگریزی میں لکھا کرتے ہیں! اوّل تو خط بھی کسی دوسری زبان میں لکھنا اپنی "زعلمی" جہالت کا ثبوت دینا ہے یہ تو ایسا ہی ہوا گویا کسی جھگڑے کی بنا پر خود گفتگو نہیں کرتے بلکہ کسی دوسرے کی زبانی کہلاتے ہیں پھر غیر زبان کی غیریت کہاں جا سکتی ہے چنانچہ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ ایسے الفاظ جن کو عام طور سے ادا کرتے ہوئے ادب یا شرم مانع ہوتی ہے غیر زبان میں ہم بے تکلفی سے کہہ جاتے ہیں مثلاً مریض ڈاکٹر سے یہ کہتے ہوئے "ٹسٹس کے پاس اور ہیپ کے اوپر دانے نکل آئے ہیں" ایسا محسوس کرتا ہے گویا اسے عریاں نہیں ہونا پڑا اور ڈاکٹر نے لباس کے اوپر ہی سے سب کچھ دیکھ لیا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ جس طرح انگریزی نے یہاں پردہ پوشی کر لی اسی طرح خطوط لکھتے ہوئے زبان کے ذریعہ ہماری طبیعت اور روح سے القا شدہ خیالات کی جو تصویر کھنچتی ہے اس پر بھی ایک دبیز پردہ ڈال دیتی ہے اور پر خلوص

خیالات اور سچے جذبات کی صحیح ترجمانی ناممکن ہو جاتی ہے پھر انگریزی میں پتہ لکھنا تو قیامت ہی ہے۔ گویا وہ محکمۂ ڈاک کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہے ہیں یا اس کی دانستہ شرارت کو اور تقویت اور سہارا دے رہے ہیں کہ اردو دان سارٹرس کی بہت کم ضرورت ہے۔ بعض لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ انگریزی میں پتہ لکھنے سے خط کے ضائع ہونے کا کم امکان رہتا ہے اور جلد تر پہونچتا ہے ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اکثر یہ شکایت سنی گئی ہے کہ اردو پتہ والے خطوط لا پتہ چٹھی کے دفتر میں بھیجدیے گئے ہیں اور ان کی تقسیم میں کافی تاخیر ہو گئی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس میں ایک حد تک کاتب صاحبان کی لاپرواہی بھی شامل ہے۔ مکتوب الیہ تو ربط مضمون کی مدد اور تحریر آشنا ہونے کے باعث خطوط مہمل میں بھی کوئی مطلب والی عبارت نکال سکتا ہے مگر پتہ مکتوب الیہ کے لئے نہیں لکھا جاتا اکثر حضرات اس حقیقت پر کبھی نہیں خیال کرتے اور اپنے اسی مخصوص طرز نگارش میں پتہ بھی لکھدیتے ہیں جس میں احباب کو خطوط لکھتے ہیں یا بعض جلد باز خط لکھتے لکھتے اکتا جاتے ہیں اور پتہ کو آخری منزل سمجھکر پوری جولانی کے ساتھ خواہ مخواہ گھسیٹ دیتے ہیں اس پر ستم ظریفی یہ کہ عبارت بے ترتیب ہوتی ہے اور ورشہر و محلہ اور برخوردار نور الابصار وغیرہ وغیرہ کا اضافہ کرکے "بگذرد" قسم کا دم چھلا بھی لگا ہوتا ہے چنانچہ حق تلفی ہو گی اگر اسی ذیل میں یہ بھی نہ بیان کر دیا جائے کہ ایک صاحب نے جملہ ضروری اسما لکھنے کے بعد پتہ پر یہ عجیب و غریب شعر بھی لکھدیا تھا ؎

چلا جا مرا خط چہکتا ہوا  جہاں بابا جلندھر ہو بیٹھا ہوا

غرض پتہ کی بعینہ ایسی شکل ہوتی ہے گویا مختلف اوزان میں کوئی مدحیہ

قطعہ ہے جس کی تحریر پیچاں۔ گلزار، طغرا اور شکست تمام خطوط کا مجموعہ ہے
کاش اُردو دانوں کو اس بات کی توفیق ہو کہ خطوط پر مختصر اور با ترتیب پتہ
لکھیں اور حتی الامکان نستعلیق و خوشخط تحریر کریں اتنی تھوڑی سی توجہ سے
اول تو اُردو جاننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ثابت ہوگی دوسرے
محکمہ ڈاک میں اردو دانوں کی مزید ضرورت ہوگی اور خطوط کے تلف ہونے کی
ہرگز شکایت پیدا نہ ہوگی۔

ہمارے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ اشاعت زبان کے لئے ہندی نوازوں کی
طرح باقاعدہ ادارے قائم کر سکیں لیکن انھیں معمولی باتوں سے اُردو کی ہر
دلعزیزی کو ایسا ثابت کر دینا ہے کہ حریف بھی اس کی ہمہ گیری کے قائل ہو
جائیں۔ ضرورت ہے کہ ہر مقام پر اُردو داں حضرات ایک سوسائٹی قائم کریں
جو انجمن ترقی اُردو ہند کی رہنمائی سے تعلیم بالغاں کا انتظام کرے اور پبلک
میں اس بات کا احساس پیدا کر دے کہ سارا کاروبار اُردو میں کرے اور ڈاک
خانے سے فارم وغیرہ بھی اُردو میں طلب کرے۔ دارالمطالعے میں جملہ رسائل
اور روزناموں کے علاوہ انجمن ترقی اُردو کا نیم ماہی رسالہ "ہماری زبان دہلی"
ضرور منگایا جائے۔ وقتاً فوقتاً جلسے منعقد کر کے مفید مقالے پڑھے جائیں
مناظرے اور مشاعرے بھی کئے جائیں غرض ایسا علمی و ادبی ماحول پیدا کر کے
اشاعت زبان کی روح پھونک دی جائے اور اس طرح اُردو کو بقائے
دوام حاصل کرایا جائے ؎

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ — عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

# احادیثِ خانہ

## بزم ادب ہلور (ضلع بستی)

ہلور ایسا گمنام اور غیر معروف نہیں ہے کہ بستی ضلع کا نام لینے کے بعد بھی تعارف کا محتاج رہے۔ بجیب الطرفین سادات رضویہ کا مسکن، مغل بادشاہوں کے زمانے سے معافی داری، آباواجداد کے لائق ناز اعزاز کی وراثت، وضعداری نفاست پسندی، ادبی فضا ستھرے ماحول، خوش مذاق طبائع اور مہذب ساتھی کی بنا پر صوبہ متحدہ کا درخشاں ستارہ نہیں تو ترائی کا چاند ضرور کہا جا سکتا ہے قومی دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہوگا جہاں ہلور ایک بڑے شہر کی طرح نہ مشہور رہا ہو اس کی مختصر تاریخ کنز الانساب مطبوعہ لاہور" یعنی ہندوستانی سادات کے شجرے میں بھی موجود ہے۔

ہمیں اپنے مورث اعلیٰ کے انتخاب مامن پر حیرت ضرور ہے کہ یہ مشہدی بزرگ ہمالیہ کے تاریک دامن میں کیوں آبسے مگر گذشتہ نسلوں کے شکرگذار بھی ہیں جنھوں نے اس کوردہ ماحول میں رہتے ہوئے اپنی روایات اور خاندانی سیرتوں و نیز زبان کو جان سے زیادہ عزیز رکھا اور سینہ بہ سینہ ہم تک پہونچا دیا مذہبی لٹریچر کے تحقیقی کارناموں اور اشاعت اسلام میں بھی ہلور کسی ہم آباد قصبہ سے پیچھے نہیں ہے چنانچہ " دارالاشاعت ہلور" سے کم و بیش دو تین سو کتابیں رسالے شائع ہو چکے ہیں سچ تو یہ ہے کہ مذہبی تصنیفات کی رو سے یہ چھوٹی سی بستی ہندوستان کے جغرافیہ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہاں سے ابتک کوئی ایسا رسالہ نہیں شائع ہوا جو صرف اشاعتِ زبان اور

خدمت ادب کے نقطۂ نظر سے مرتب کیا گیا ہو اور درحقیقت ابھی تک ہمارے
ادب کو ہر مفید و ناکام خدمات کی ضرورت بھی نہ تھی مگر آج زبان کی سیاسی
کشمکش، برادرانِ وطن کی بھری ہوئی نگاہیں، وارد ہا اسکیم و ودّیا مندر کی صدائے
ناقوس اور ہندی ہندوستانی کے غلغلے ایسے نہیں ہیں کہ کوئی صحیح الدماغ
اور نکتہ رس قوم ان سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ انجمن ترقی اُردو کی تجاویز کے
مطابق اور نزاکت وقت سے مجبور ہو کر ستمبر ۳۸ء میں بزم ادب ہلور کے
نام سے ایک انجمن کی تشکیل کر دی گئی جو بفضلہ قائم ہے اور ماہ بماہ ادبی
جلسے منعقد کر کے وقتاً فوقتاً مفید رسالے بھی شائع کرتی ہے۔

## جناب طفیل احمد صاحب و اشتیاق حسین صاحب کی ادب نوازی

جس نے ہلور کا نام سنا ہوگا اس کے لئے طفیل احمد صاحب مختار کا
نام یاد رکھنا ناگزیر ہے۔ موصوف حکیم حاذق بقراط زماں جناب سید علی
ضامن صاحب ہلوری کے فرزند رشید ہیں اور قومی دردمند و ملی رہنما ہونے
کی حیثیت سے ہلور کے ساتھ اپنا نام بھی وابستہ و پیوستہ کر لیا ہے موصوف کا
مکان آبادی سے باہر موٹر اسٹیشن کے قریب واقع ہے اور ہر آنے والے
مہمان کے لئے چشم انتظار اور آغوشِ معانقہ بنا رہتا ہے جملہ صفات سے
قطع نظر کر کے موصوف کی علمی لیاقت اور ادبی مذاق پر مادرِ وطن کو ناز ہے
دوست بھی وہ پایا ہے جو لغات عالم میں لفظ دوست کا ہمہ تن معنیٰ ہو
موصوف کو بجا طور سے فخر ہے کہ خدا نے اشتیاق حسین سا ہمنوا اور رفیق کار
عطا کیا ہے۔
اشتیاق صاحب کو ادب سے اس قدر شغف ہے کہ ایک شاندار ذاتی

لائبریری کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ موصوف کے ذوق کی شستگی سے حیرت ہوتی ہے کہ دنیا میں ایسے بھی شاعر ہیں جو شعر نہیں کہتے اور ایسے بھی ادیب ہیں جو صرف دوسرے اہل کمال کو سراہتے ہیں خود نمائی کرنا پسند نہیں کرتے غرض ان دونوں حضرات کی سرپرستی میں آکر بزم ادب میں جان سی پڑ گئی اور جنوری ۱۹۳۹ء میں اس کے اصول و قواعد باقاعدہ مرتب ہو گئے۔ خوش قسمتی کا یہ عالم کہ اسی ماہ میں مختار صاحب موصوف کے یہاں تقریب بھی ہونے والی تھی یعنی بڑے صاحبزادے مسمی شمیم احمد سلمہٗ کا عقد ہو چکا تھا جو اصل معنوں میں شادی ہے مگر رسم سہرا بندی باقی تھی مہینوں سے سامان ہو رہا تھا تین چار قسم کے اردو انگریزی میں دعوت نامے چھپے اور احباب کی خدمت میں روانہ کئے گئے۔ غرض شوق سامانی کی یہ حد ہو گئی کہ ولیمہ اور سہرا بندی کی تقریب اصل شادی سے بھی بڑھ گئی۔ پھر لطف یہ ہے کہ طفیل احمد صاحب و اشتیاق حسین صاحب کی با مذاق اور ادب نواز طبیعتوں نے اس مصروفیت کے موقع پر بھی بزم ادب کو فراموش نہ کیا جس کا احسان خود اردو زبان پر ہے۔ رنگ و نشاط کی محفلوں میں تو اردو نے آنکھیں ہی کھولی تھیں مگر افسوس وہ انجمنیں آنکھوں کے سامنے برہم ہو گئیں اور گرمی بزم عرصہ سے خاک پروانہ میں دفن ہے اس لئے مختار صاحب کا یہ اقدام قابل صد تحسین ہے۔ اور دیگر ارباب وطن کو بھی دعوت عمل دیتا ہے۔ اب کیا تھا سڑک پر وہ عظیم الشان رومی دروازہ جس پر صبح شام شہنائی بجا کرتی تھی میری نظر میں بزم ادب کے شاندار جلسے کا مژدہ سنا رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ خوشی و انبساط کے موقع پر طبیعت میں وجد اور دل و دماغ

پر کیف سا چھایا رہتا ہے اور سنجیدہ، علمی اور ٹھوس مضامین کے پڑھنے سے جلسے میں اس خوشی و مسرت کا توازن نہیں قائم رہتا لہذا وقتی مصلحت کی بنا پر ایک اعلیٰ درجہ کے مشاعرے کا اعلان کیا گیا تاکہ ایک ادبی خدمت کے ساتھ ساتھ تفریح کا باعث ہو اور خوش مذاق مہمانوں کی ضیافتِ طبع کا بھی سامان ہو جائے۔

# روئداد مشاعرہ

اس مشاعرے کی ظاہری تحریک و ترتیب اگرچہ مجھ حقیر سے وابستہ تھی اور تمام اہتمام بھی میرے ہی سپرد تھا مگر درحقیقت اس کی کامیابی کا سہرا جناب اشتیاق حسین صاحب سب انسپکٹر کے سر رہا۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر موصوف کی دلچسپی اور ہمت افزائی میری دستگیری نہ کرتی تو میں ہرگز اس قابل نہ تھا کہ اس عظیم الشان کام کو سرانجام کرسکتا۔ غرض دو ہفتے قبل غزل کی دو طرحیں مشتہر ہوئیں اور شعراء سے خود ان کی پسندیدہ وزن و بحر میں ایک ایک سہرا لکھنے کی بھی فرمائش کی گئی اور بجائے عام طور سے ڈھنڈورا کرنے کے بدذوق مخلوق سے بچنے کے لئے کمترین نے چند دوستوں کی معیت میں سخن فہم اور خوش مذاق حضرات کے وہاں جا جا کر شرکت مشاعرہ کے لئے خود وعدہ لیا اور اکثر یاد دہانی بھی کرتا رہا۔ بارے خدا خدا کر کے تاریخ مقررہ یعنی ۱۰ رجنوری ۳۹ کی صبح مسکرائی ع اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی۔ اور دس بجے دن سے باہری مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ دولہا آرائی، حنا بندی اور سہرے وغیرہ کی رسومات ادا ہو جانے کے

بعد شام کو جناب اشتیاق حسین صاحب کی جانب سے اس تقریب سعید کے سلسلے میں شبینہ (ولیمہ) بھی تھا۔ دعوتی کارڈ پہلے سے تقسیم ہو چکے تھے امثالیہ شعرا خاص طور سے مدعو تھے۔ طعام سے فراغت پاتے ہی بزم مشاعرہ کی زینت آرائی شروع ہوگئی۔ موسم سرما کے خیال سے شامیانے کے نیچے بیدار نشینی مناسب نہیں سمجھی گئی اور مقام طفیل احمد صاحب کا بالاخانہ منتخب ہوا جو اول تو یوں ہی دولہا خانہ بنا ہوا تھا دوسرے کارکنان مشاعرہ کی جدت آفرینیوں سے اردوئے معلیٰ کے جلسوں کی یادگار ہوگیا۔

جناب اقبال رضا صاحب نسیم سکریٹری بزم ادب اور دیگر اراکین مجلس منتظمہ مہمانوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور بہ حفظ مراتب نشست کا انتظام کرتے رہے۔ جو آتا فوراً عطر لگایا جاتا اور چائے پیش کی جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں خاصا مجمع ہوگیا۔ حقہ اور پان کا دور جلد ختم ہونے والا تھا اس لئے کوئی اوپر سے تمباکو والا الایچی مانگ رہا تھا کوئی غنیمت جان کر دو چار کش اور لگا رہا تھا۔ قاضی محمد عدیل صاحب علیگ ایم۔ ایل۔ اے صدارت کیلئے منتخب ہوئے تھے۔ اچانک خبر آئی کہ وکیل صاحب کسی ضرورت کے باعث ٹھہرنے سے مجبور ہیں بعض لوگ موصوف کی صحبت نشینی کے بے حد مشتاق تھے اس لئے تھوڑی دیر کے لئے سارے جلسے میں انتشار پیدا ہوگیا۔ اتنے میں بزرگ کامل حکیم حاذق جناب علی ضامن صاحب قبلہ ہلوری آہستہ آہستہ لیکن بدانست خود جوش میں اچھلتے ہوئے آتے نظر آئے۔ موصوف کی عمر کچھ کم سو سال ہے بال برف کی طرح سپید ہیں۔ تقاضائے عمر سے نحیف وزار ضرور ہیں مگر ہار ڈ پیرانہ ہے اور ہمت جوان اس لئے بخوبی چل پھر لیتے ہیں قوت

بینائی کی یہ حالت ہے کہ رات کو مدہم روشنی میں حکمت کی وقیانوسی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ چودہ سال متواتر لکھنؤ میں رہکر طبابت کی سند حاصل کی ہے تجربہ اور تشخیص و علاج کا یہ عالم ہے کہ صرف جان نہیں پہنا سکتے۔ بے لوث مرنجاں مرنج اور بے حد خوش مذاق بزرگ ہیں۔ خلق خدا کو آرام پہونچانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ غربا اور ہموطنوں کو کبھی ہمت نہ ہوسکی کہ کوئی نذر پیش کرسکیں۔ باہر والوں کا بھی علاج کرتے وقت مالی منفعت کا دل میں خیال بھی نہیں لاتے۔ نوابوں اور راجاؤں کے یہاں زیادہ تر علاج کیا ہے کلکٹر، سپرنٹنڈنٹ پولیس، سول سرجن بستی اور چند مایوس العلاج مریضوں کو صحت یاب کرکے حکمت کا سکہ بٹھا دیا ہے شعر و سخن سے بھی کافی ذوق ہے فارسی و عربی کے ہزاروں اشعار زبان پر ہیں۔ موصوف کو آتے دیکھ کر حاضرین کی نگاہیں صدر دروازے کی طرف جم گئیں آگے بیٹھے ہوئے لوگ تعظیماً کھڑے ہوگئے اور بدالحسن صاحب ونسیم صاحب نے استقبال کرکے آگے قالین پر گاؤ تکیہ لگاکر بٹھا دیا۔ ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھنے لگے "آئیں کیاں مشاعرہ ختم ہوں گیا"؟ خاکسار نے کہا قبلہ ابھی تو شروع بھی نہیں ہوا" بولے " تو شروع کردوں۔ تبرک تھوڑا ہی تقسیم ہوگا دیر ہوں گی تو لونگ الکتاں کر چلیں جائیں گے "! موقع سے فائدہ اٹھاکر کسی نے صاحب مشاعرہ سے کہدیا بابا کہہ رہے ہیں مشاعرہ جلد شروع ہونا چاہئے"! کس میں طاقت تھی جو بابا کی انتظاری کیفیت سنکر توقف کرتا۔ نوشہ کا جلوس وقت مقررہ سے پانچ منٹ پہلے ہی آگیا۔ دیبائے سُرخ کی زرق برق شیروانی جس پر جابجا ستارہ کی جھلک، گلے میں ایک سنہرا اور چند تازہ پھولوں کے ہار۔ دستار پر دلفریب رنگ کی پٹی، چمکدار سہرے کے چمکیلے تاروں کے اندر پیارا پیارا گلرنگ چہرہ،

روح افزا خوشبوؤں کی لپٹ غرض قدم قدم پر جمالِ شاہانہ کی بارش ہو جاتی تھی اور ایک رعب ٹپکتا تھا۔ نوشہ کے داہنے طرف مختار صاحب خود اور بائیں جانب اشتیاق صاحب پیچھے نوشہ والوں اور متعلقین کی قطاریں غرض یہ جلوس خراماں خراماں دروازے تک ایسی متانت اور شگفت رفتاری سے آیا جیسے کالجوں میں کنووکیشن کے جلوس داخل ہوتے ہیں حاضرین بزم رسماً تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے سکریٹری صاحب نے بڑھکر استقبال کیا ساتھ ہی شہ نشین Dais کا پردہ سرکا اور نوشہ کو نشست خاص میں جگہ دی گئی جلسہ میں داہنے طرف صاحب مشاعرہ متعلقین اور باہری مہمان بائیں طرف کی مخصوص جارے نشست میں معزز شعرا اور سامنے حاضرین بزم کا مجمع تھا۔

ہاں اب ذرا اک نظر ساری محفل پر ڈال لیئے۔ سامنے تخت نوشہ ہے جو اپنی آرائش اور خوبصورتی میں تخت طاؤس کا نمونہ ہے۔ چاروں طرف پھولوں کی بیلیں بہار دکھا رہی ہیں اندر چھت کے نیچے رنگین منقے لٹک رہے ہیں محراب کے اوپر زرنگار حروف میں استاد خوش نویساں جناب محمد حسین صاحب عرف ننھے میاں کے قلم سے یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

محفل شمیم گل سے جو ہے عطر بار آج ۔۔۔ اترائی پھر رہی ہے نسیم بہار آج

دیوار کے چاروں طرف سفید چاندنی کا فرش جس پر چھوٹے چھوٹے گلدستے جھلملوں کے فانوس نما قمقموں کے باعث شمع دانوں کا کام کر رہے ہیں۔ رنگین جھنڈیوں دلفریب زنجیروں اور پُر بہار گلدستوں کی رونق اس پر قندیلوں کی نور پاشیاں قوس قزح کا تماشہ دکھا کر دلوں کو وجد میں لاتی ہیں۔ جگہ جگہ جھلملیاں ایسے قرینے سے لگا دی گئی ہیں کہ تیز روشنی میں جب لڑکیوں کو جنبش

ہوتی ہے تو اپنی بوقلمونی کی عجیب بہار دکھاتی ہیں بس یہی معلوم ہوتا ہے گویا نظم کی دیوی مادّی شکل میں آکر فضا میں رقص کر رہی ہے غرض سارا جلسہ شعرستان ہو رہا ہے۔

دفعتہً حضرت طفیل احمد صاحب مختار کھڑے ہوئے اور "سلام علیکم" کہکر مختصر الفاظ میں تحریک صدارت فرمائی اور جناب عنایت حسین صاحب قمر کا اسم گرامی تجویز کیا موصوف شاعر بھی ہیں اور خاصے نقاد بھی۔ کچھ دنوں سے بلیر یا کے شکار تھے کمزوری و نقاہت کے باعث ذرا ہچکچائے جناب اشتیاق حسین صاحب نے تائید کے طور پر فرمایا "حضرات! تخت نوشہ پر دو فاضل نشستیں ہیں جن میں سے ایک تو صدر کے لئے مقدر ہے دوسری ان معزز شعرا کے لئے ہے جو حسب پروگرام باری باری تخت پر جاکر اپنے کلام سے مستفید فرمائیں گے۔ اب چونکہ نوشہ تنہا بیٹھا ہوا ہے اور شرکائے بزم کی نگاہیں ایسی لڑی ہوئی ہیں کہ کمسنی کے تقاضے سے بیچارہ شمیم شرمایا جا رہا ہے لہذا جناب قمر صاحب سے استدعا ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے جلد صدارت قبول فرماکر نوشہ کے پاس متمکن ہو جائیں۔

جناب قمر فوراً کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے اور ادائے تشکر و مناعرے کی افادیت پر ایک نہایت مختصر خطبہ کے بعد پیش نامہ کے مطابق جو سکریٹری صاحب نے تیار کرکے پہلے سے سامنے رکھدیا تھا کارروائی شروع ہوئی جناب صدر نے کہا "حضرات اس مشاعرہ کا مقصد اوّل تو بزم ادب کی فروغ دہی اور ارباب وطن میں ادبی خدمات کی شوق پیدائی ہے مگر چونکہ ایک خاص تقریب سے وابستہ ہے اور اس تقریب کی یادگار بھی ہے لہذا غزلوں سے قبل سہرے ملاحظہ فرمایئے۔

چنانچہ دور اول کا افتتاح ایک تاریخی مبارکباد سے کیا گیا جو منجانب بزم ادب

پیش کی گئی تھی اور جناب نسیم صاحب سکریٹری نے اپنے دلکش انداز میں سنایا۔ مطلع تھا ؂

مبارک ہو سرِ زلفِ دوتا سہرا مبارک ہو ۔۔۔ اندھیری رات میں چاند سا سہرا مبارک ہو

چونکہ مصنف کے نام کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اس لئے مطلع کی صفائی و برجستگی اور ردیف پر خوبصورت تصرف کو سنکر ہر اک تعریف کرکے اپنے گمان کے مطابق مختلف شعرا کی طرف دیکھنے لگا مگر کسی جانب سے انکار و اقرار کا پتہ نہ تھا مولانا عترت صاحب غزل سرانجام کرنے میں ایک طرف ڈوبے ہوئے تھے اسلئے کسی کا خیال ادھر بھی نہ گیا۔ ہر شعر پر سچی تعریفیں سنکر مولانا جب زیر لب مسکرا دیتے تھے تو البتہ چوری پکڑی جا سکتی تھی مگر حاضرین خود تھے ؂

رُخِ رنگیں پہ نوشہ کے جو دیکھا رنگ گلشن کا ۔۔۔ پکاری شوخیٔ رنگِ حنا سہرا مبارک ہو

اس شعر پر کافی تعریف ہوئی اور واقعی معنوی حیثیت سے ہے بھی دلچسپ حنا اور پھول ایک ہی فضا اور ماحول کے رہنے والے ہیں۔ اور آج یہ دونوں نوشاہ کے لئے سامانِ آرائش بنے ہوئے ہیں ایک ہاتھوں کی زینت ہے اور دوسرا سہرے کی صورت میں رُخ پر بہار دکھا رہا ہے۔ اوّل الذکر میں چونکہ باطنی خوبیاں بھری ہوئی ہیں اس لئے وہ پھولوں کے سطحی رنگ و بو کو کبھی خاطر میں بھی نہ لاتی تھی چہ جائے کہ ان کی تعریف کرے۔ لیکن اس وقت انھیں پھولوں پر وہ رونق اور نکھار آگئی ہے کہ رنگِ حنا سے بھی نہ رہا گیا اور بے اختیار بول اٹھی" اے سبحان اللہ کیا خوب سہرا ہے خدا مبارک کرے" غالب کے متعلق مشہور ہے کہ مشاعرے میں شاذ و نادر کسی کی تعریف کرتے تھے کسی سے حسد نہ تھی ورنہ کوئی بات ہی نہ ہوتی بلکہ ان کے مذاق کا معیار اتنا بلند تھا کہ کسی کا کلام نگاہ میں جچتا ہی نہ تھا مگر اہل کمال منصف مزاج اور قدر شناس بھی تو ہوتے ہیں چنانچہ مرزا داغ کے اس شعر پر

سُرِ وُ صفتے تھے ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہیں ؎ اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

غرض اپنے کمال اور بلند مذاقی کے باعث مرزا جس شعر کی تعریف کر دیتے وہ خوبی وحسن میں مسلم اور مستند ہو جاتا تھا۔ یہی حال یہاں حنا کا ہے، لطف یہ کہ حنا کی مبارکباد میں اگرچہ پھولوں کے حسن اور رنگینی کی تعریف مضمر ہے، لیکن دراصل ممدوح کے جمال کی طرف کنایہ ہے کیونکہ پھولوں نے نوشاہ کے چہرۂ جمیل سے اکتسابِ حسن کیا ہے۔ مقطع پڑھا گیا۔

شبیہ سال عترت کھینچتا ہے اشتیاق اپنا (۱۹۳۹) رخ نوشاہ پہ یہ بے بہا سہرا مبارک ہو

تخلص سنتے ہی سامعین اور مولانا عترت خود داد و سلام کے لئے جھکے تاریخی مصرع کو تو لوگوں نے بیسیوں بار دہرایا ہوگا اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ مادہ تاریخ کا مصرع لگانے بیٹھے تو کیا کیا دقتیں پیش آتی ہیں اور پھر بھی "تخرجہ" کا دُم چھلا پیچھا نہیں چھوڑتا لیکن یہاں تعریف نہیں کی جا سکتی اول تو پورے مصرع کا مادہ سنہ مطلوب (۱۹۳۹) آتا ہے۔ دوسرے بندش کی صفائی اور درستیٔ زبان و برجستگی کو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا موزوں کرتے وقت شاعر کا ذہن ابجد ہوز کی زنجیروں اور قافیہ و ردیف کی قید و بند سے بالکل آزاد تھا۔ اس کامیاب مصرع پر مولانا عترت صاحب کو جس قدر مبارکباد دی جائے کم ہے۔

اس کے بعد فہرست کے مطابق یکے بعد دیگرے سب حضرات نے اپنے اپنے سہرے سے محظوظ فرمایا جن باہری شعرا کے کلام آئے تھے وہ بھی مختلف خوش آواز حضرات سے پڑھوائے گئے اور حسبِ مراتب نہایت میانہ روی سے داد و تحسین

ہوتی رہی۔ اساتذہ میں سے ہر ایک کا سہرا اپنے اپنے رنگ میں اچھوتا اور تر و تازہ تھا
اعجاز صاحب کا مطلع تھا ؎

کیوں نہ ڈالے دلِ خورشید میں ہلچل سہرا ۔۔۔ رُخِ نوشہ پہ جھلکتا ہے جھلا جھل سہرا

علوری شعرا میں موصوف کی ہستی نہایت ممتاز ہے طبیعت میں جدت پسندی انتہا درجہ کی ہے اور ایک خاص طرز کے مالک بھی ہیں کلام کی زمین کے لیے موصوف کے حسنِ انتخاب کی تعریف کرنی پڑتی ہے پھر اسپر تجربہ و مشق کی کمائی سے سنگلاخ ترین زمینوں میں بھی اشعار پیدا ئی کا معجزہ دیکھکر دل سے داد نکلتی ہے، محاورہ اور زبان کا خاص طور سے خیال رکھتے ہیں اور معنی کا سر رشتہ کہیں ہاتھوں سے جانے نہیں دیتے۔ بغیر ترنم کے طرز خواندگی بھی نہایت دل نشیں اور نرالی ہے مولوی صاحب چونکہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے تھے اس لئے مشاعرے میں شرکت نہ کر سکے اور کلام سکریٹری صاحب نے پڑھکر سنایا ؎

دل سے ملتا ہے یہ مہیج شبِ رنگین ہوکر ۔۔۔ بن کے آنکھوں میں سماجاتا ہی کاجل سہرا

اس شعر پر موصوف نے صرف اس لئے علامت ضرب لگادی تھی کہ مصرع ثانی "سمایا جاتا ہے" جذب نہ کر سکا اور "سماجاتا ہے" خلاف محاورہ ہے۔ لیکن چونکہ نظم کے مسودے کے لئے جس کی کتابت ان اوراق سے پہلے ہوئی ہے، خود شعرا کے پرچوں پر اکتفا کی گئی اس لئے غلطی سے یہ شعر بھی چھپ گیا جس کے لئے ہم مولوی صاحب سے معافی خواہ ہیں۔

اعجاز صاحب نے اس زمین میں خوب خوب سہرے تیار کئے ہیں خصوصاً ان اشعار کی بے حد تعریف ہوئی

جذب کرنے کیلئے حسن کی گرمی کا عرق ۔۔۔ رُخِ نوشہ پہ بنا حور کا آنچل سہرا

رخِ نوشہ پہ مبارک یہ طفیلِ احمدؐ ‏ ‏ ‏ یہ شمیم گلِ ارماں کا مثکل سہرا

گلِ ارماں کی خوشبو سے بنا ہوا سہرا غالباً بالکل نیا سہرا ہے علاوہ اس کے
تاموں کا بامعنی استعمال اور آنچل کا قافیہ کس استادی کے ساتھ بنایا گیا ہے پھر جوڑے کے
آنچل کا بانکپن کیا لطف پیدا کر رہا ہے۔

قیس صاحب کا نام آنا تھا کہ لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے ہلور کی دنیائے شعر و سخن
میں موصوف کا نام اسی طرح مشہور ہے جیسے دنیائے شاعری میں خود قیس نجدی کا
فارسی و عربی میں خاصی دستگاہ رکھتے ہیں غزل گو شاعر ہیں اور قدیم طرز کے حامل
ہوتے ہوئے بھی جدید رنگ سے خوب آشنا ہیں کلام میں قنوطیت کا عنصر غالب ہے
جو درد و اثر کا باعث ہوتا ہے غزل کا پرچہ ہاتھ میں لیکر پڑھنے سے پہلے محفل
کی طرف اس انداز سے دیکھتے ہیں کہ نگاہیں صاف یہ شعر پڑھ دیتی ہیں ؎

صائب دو چیز می شکند قدرِ شعر را ‏ ‏ ‏ تحسین ناشناس و سکوتِ سخن شناس

پھر انھیں پر کیا موقوف ہے عام طور سے یہی دیکھا گیا ہے کہ مشاعرے میں نو مشقوں
کے ہر مصرع پر واہ وا کا شور ہوتا ہے کیونکہ اسطرح سے ان کا دل بڑھانا مقصود ہوتا
ہے مگر جب اساتذہ کی باری آتی ہے تو جلسہ پر متانت و سنجیدگی چھا جاتی ہے کیونکہ
نافہموں کی تحسین بے جا سے انکی طبیعت منغص ہو جاتی ہے شعر پڑھکر دیکھتے بھی ہیں
تو برابر والوں کی طرف اور وہی داد بھی دیتے ہیں باقی لوگ صرف سنتے ہیں اور انکی
زبان ان کے آدابِ مجلس اور طرزِ خواندگی سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ سہرے کا مطلع
ساتھ لایا ہے نئے رنگ کا ساماں سہرا ‏ ‏ ‏ گل ہیں مہتاب فلک کہکشاں تاباں سہرا

بعض لوگوں نے اس انداز سے تعریفیں کیں جن سے پھولوں کی ماہتاب سے
تشبیہ پر جبکہ سہرا مجموعی حیثیت سے صرف کہکشاں یعنی ستاروں کا مجموعہ ہے بطریق احسن

اعتراض کا پہلو مترشح ہوتا تھا لیکن قیسؔ صاحب کی اداشناسی سے کوئی کیا نکلسکتا تھا تیور بدلکر بولے "حضرات! معلوم نہیں بعض طبائع ہر نئی بات کو سنکر بجائے تحسین کے ہیو بلے پر کیوں اتر آتی ہیں اعتراض کر دینا آسان ہے مگر لکھنے بیٹھیں تو خون تھوکنے لگیں (صدر سے) بس اب تو اجازت دیجئے پھر کبھی سن لیجئے گا" مشاعرے میں ایک سکوت طاری ہو گیا۔ مختار صاحب نے کہا کہ حضرت ہم لوگوں کے اشتیاق پر یوں پانی نہ پھیرئے سخن فہمی کھیل نہیں ہے بس درگذر فرمائیے اور ہملوگوں پر کرم کیجئے، قمر صاحب اور دیگر لوگوں نے بھی تائید کی۔ بابا نے کہا "حامد حسین! شعر خوب ہے کسی کی بے محل تعریض پر مطلق خیال نہ کرو ہوا سو ہوا۔ بس اب آگے چلو" قیس صاحب مسکرائے اور کہا قبلہ! پہلے مصرع میں اسی خیال سے میں نے "نئے رنگ" کی عینک بھی لگا دی ہے تاکہ مصرع ثانی کی خوبیاں ہر خاص و عام کے لئے اجاگر ہو جائیں لیکن ناقدری کی تاریکی میں یہ التزام بھی بیکار ثابت ہوا" اس کے بعد موصوف نے مصرع اولی میں "نئے رنگ" کے ٹکڑے پر ذرا زور دیکر شعر کو مکرر پڑھ دیا جس سے سب مطمئن ہو گئے اور تحسین و تعریف بھی ہوئی ؎

مردہ دل ہو گئے نظارہ سے زندہ سر بزم ؎ بارک اللہ بنا عیسیٰ دوران سہرا
دہ فضا ہے وہ سماں ہے وہ ہے آرائشِ بزم ؎ دیکھتا ہے نگہِ شوق سے رضواں سہرا

یہ اور دیگر اشعار ایسے نہ تھے کہ بغیر داد لئے ہوئے رہتے۔ ہر چند لوگ زیادہ واہ واکرنے سے ڈرتے تھے لیکن دل سے تعریف ہو رہی تھی۔

اس کے بعد جناب امیر مینائی صاحب کاکوروی کا نمبر آیا۔ موصوف اخبار جمہور ہندستی کے ایڈیٹر ہیں اور علاوہ جملہ معلومات اور سیاسی آگہی کے شعر و ادب سے بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں موصوف کا کلام عین مشاعرے کے روز آیا تھا جناب صدر کی درخواست

پر جناب شبیہ الحسن صاحب خوشنویس نے نہایت دلکش انداز میں سنایا دو تین
اشعار ملاحظہ ہوں۔

جبین صفا ہے تیری کہ آئینہ سکندر کا — بنا ہے پرتو رُخ سے جواب جام جم سہرا
نہ جانے گیسوئے پُر پیچ سے کاہے یہ بگڑی ہے — کہ جنبش میں ہے طرہ کھا رہا ہے پیچ وخم سہرا
نہ کیوں ہر ہر قدم پر موتیوں کا مینھ برس جائے — کہ نوشہ آسمان حسن ہے ابر کرم سہرا

مینائی صاحب خود تو موجود نہیں تھے مگر ساری محفل پر وہی محویت اور سرمستی
چھائی ہوئی تھی جو کسی استاد کی شعر خوانی کے وقت ہوتی ہے مختار طفیل احمد صاحب
واشتیاق حسین صاحب بآواز تعریف کرنے سے عموماً احتراز کرتے ہیں مگر وہ بھی
ہر شعر پر داد وتحسین کے لئے مجبور ہو جاتے تھے اور قیس صاحب ہر بیت کو مکرر سہ کرر
پڑھواتے اور جھومتے جاتے تھے۔ دعائیہ شعر تھا ؎

علی ضامن مبارک آپکو پوتے کی شادی ہو — رہے نوشہ پہ سایہ ہر گھڑی چومے قدم سہرا

پہلے مصرع کو تو سنکر بابا خوشی سے مسکرائے مگر مصرع ثانی سُنکر کہا "قدمبوسی
کے لئے تو بہت لا بنا سہرا درکار ہوگا۔ پھر نوشہ کے سر پہ معراج پاکر سہرے کا پستی
کیطرف رجوع کرنا کمال سعادت مندی ظاہر کرتا ہے"۔ معلوم نہیں مینائی صاحب
اس اعتراض جمیل کا کیا جواب دیتے موقع پر تو داروغہ جی ہی کی حاضر جوابی تھی
جس نے بابا کو مطمئن کر دیا فوراً بولے" بابا! سہرے کا ہر پھول اگر آپکی عمر کی سال
گرہ سمجھا جائے تو پچاسی پھول تو یونہی درکار ہونگے۔ لہذا آئندہ کا خیال رکھتے ہوئے
بہت لانبا سہرا تیار کیا گیا ہے کیونکہ ابھی آپ کو نسیم سلمہٗ کی بچی تو شادی کرنی ہے اور
سہرا اگرچہ نوشہ کے سر پر ہے مگر آپ کے رتبہ سے غافل نہیں ہو سکتا نوشہ کا قدم نہیں
چومے گا یہاں تو آپ کی قدمبوسی کا تذکرہ ہے"۔ بولے واقعی شعر حکمت سے پُر ہے اسطرح

معاملہ رفع دفع ہوا۔ اور اشتیاق صاحب کی درخواست پر جناب فیاض حسین صاحب عرف ببو میاں نے جناب آغا صاحب فیض آبادی کا سہرا پڑھا موصوف ببو میاں اپنی خوش الحانی میں دور دور تک جواب نہیں رکھتے اور فن موسیقی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں۔ ترنم تو وہ چیز ہے کہ بے معنی فقروں میں بھی جادو بھر دیتا ہے پھر جب کلام بھی عمدہ اور اعلیٰ ہو تو کیا کہنے ہیں۔ یہ سہرا اشتیاق صاحب کی فرمائش سے لکھا گیا تھا جس کو موصوف نے نہایت خوبصورت طباعت سے مزین کر کے محفل میں تقسیم کرایا جب سب کے ہاتھوں میں سہرا پہونچ گیا تو ببو میاں نے شروع کیا اور اس انداز سے سنایا کہ حاضرین بزم کے ساتھ ساتھ تانسین کی روح بھی پھڑک اٹھی ہو گی بس یہ عالم تھا کہ لوگ دلکش تانوں پر مسحور ہو جاتے تھے اور کلام سے لطف اندوز ہو کر وجد کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان اور مزیدار محاوروں کو سنکر مجھے خود اعتمادی سی پیدا ہو گئی کہ سہرا خوانی کا دور بہر حال کامیاب ہو گیا ہے

بن گیا مطلع انوار سراسر سہرا ‏— رخِ نوشاہ ہے مشرق شہ خاور سہرا
زر سے پھولوں کے کٹوروں کو لبالب بھر کر ‏— رخِ نوشاہ پہ کرتا ہے نچھاور سہرا

یوں تو ہر شعر اپنی آپ مثال تھا اور محفل سے برابر تحسین کا شور اٹھتا تھا لیکن ذیل کا دعائیہ شعر ملاحظہ ہو۔

پھر ہو یارب یہ امنگیں رخِ زیبا کے قریں ‏— تاکہ احباب سنیں آکے مکرر سہرا

کیا نفیس پیرایۂ بیان ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ ساری محفل میں کوئی ایسا نہ تھا کہ آمین اور انشاء اللہ کے بعد مسلسل دو تین واہ وا کی صدا نہ لگا تا ہو۔ بانی بھی بے حد پسند کیا اور بولے یہ بات تو عجب ہے تینوں میں بھی مکرر سہرا" لوگوں نے کہا ضرور ضرور انشاء اللہ ضرور۔

اب ادہر دیکھئے مولانا عترت صاحب تخت پر تشریف لائے ہیں پتلا اور سڈول جسم کھلتا ہوا گندمی چہرہ سیاہ شیروانی اور سفید بیلدار ٹوپی میں ملبوس۔ پرچہ نکالکر محفل کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ ابتک شعرا ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے اس لئے تاڑنے والے تاڑ گئے کہ حضرت گانے سے اظہار بے بسی فرما رہے ہیں۔ صدر صاحب نے کہا بسم اللہ تو مولانا نے مطلع فرمایا۔

دکھاتا ہے سر بزم طرب جلوہ گری سہرا ۔۔۔ رُخ نوشہ پہ ہے صد رشک ماہ انوری سہرا

عام طور سے لوگ آہستہ سے خوب خوب کہکر رہ گئے مگر مختار صاحب قمر صاحب اور قیس صاحب وغیرہ مزے لے لیکر دہراتے رہے ؎

یہ ہیں اوراق گل یا ہیں صحیفہ حسن قدرت کا ۔۔۔ کریں سجدا اگر دیکھیں بتان آذری سہرا

طفیل احمد مختار سے شادی یہ راس آئے ۔۔۔ مبارک ہو بحق مالک جن و پری سہرا

غرض ہر شعر پر ارباب ذوق کو وجد آگیا اور بے حد تعریف و توصیف ہوئی و نیز تسلیم کرنا پڑا کہ مقطع میں صرف تعلی نہیں ہے ؎

در مضمون کی لڑیوں سے کیا آراستہ عترت ۔۔۔ کہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں جوہری سہرا

سچ تو یہ ہے کہ ہلور کو اپنے اس باکمال شاعر پر صد ہزار ناز ہے۔ عترت صاحب علمی دنیا میں کافی روشناس ہیں۔ دار الاشاعت کے سکریٹری ہیں اور تصنیف و تالیف کی برابر مشق رہتی ہے نوحہ جات اور سلام کہنے میں دور دور جواب نہیں رکھتے قوم نے مولانا کو مصور غم فصیح الہند کے خطابات دے رکھے ہیں موصوف ابھی تک مرثیہ وسلام اور منقبت و قصائد کے علاوہ کسی صنف سخن سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے مگر کارکنان بزم ادب خصوصاً خاکسار نے ادبیات میں بھی حصہ لینے کے لئے مجبور کر دیا ہے

فطرت نے شاعری کا پورا ملکہ ودیعت کیا ہے طبیعت میں موزونیت کا یہ عالم ہے کہ بلا مبالغہ منظوم بات چیت کر سکتے ہیں نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے ہیں اشعار میں زیادہ تر آمد ہوتی ہے۔ حد یہ ہے کہ رات کو سوتے ہوئے سے بیدار کئے گئے ہیں کاغذ سامنے رکھکر مصرع بنا دیا گیا ہے اور فی البدیہہ دس پندرہ اشعار لکھدئے ہیں نثر بھی خوب لکھتے ہیں خدا موصوف کو ادب اردو کی نمایاں خدمات کا موقع عطا کرے۔ امید قوی ہے کہ اگر ارباب علم وذوق نے اپنی توجہ سے ہمت افزائی فرمائی تو موصوف جلد کسی ممتاز صف میں نظر آئیں گے۔

اساتذہ کے علاوہ ہمارے بعض نوجوان شعرا کے سہرے بھی کافی پسند کئے گئے جن میں جناب لطف حیدر صاحب و توقیر حسن صاحب عزت خاص طور سے قابل ذکر ہیں کلام گلدستہ میں موجود ہے اور قابل دید ہے۔ آخر میں تین چار احباب کے ذریعے سے جلد جلد وہ سہرا حاضرین بزم میں تقسیم کیا گیا جو عترت صاحب نے خاکسار کی درخواست پر لکھا تھا اور نوبہار پریس صلور میں زرافشاں حروف میں چھپایا گیا تھا نسیم صاحب سکریٹری بزم ادب نے نہایت موزوں اور دلکش انداز میں سنا کر ساری محفل کو مست کر دیا۔ مطلع تھا ؎

روئے نوشاہ یہ ہے دید کے قابل سہرا　　رشک سے دیکھ رہا ہے مہ کامل سہرا

اس زمین میں مدحیہ اشعار خوب خوب نکالے ہیں ساحل کا قافیہ دیکھئے کس خوبی سے بنایا ہے ؎

حرکت موج مسرت کا پتہ دیتی ہے　　کیونکہ دریائے تمنا کا ہے ساحل سہرا

اس سہرے میں نوشہ، عروس، شہ والوں یعنی نوشہ کے بھائی انیس، نفیس، نسیم۔ بھیر نوشہ کے والد، چچا، دادا وغیرہ و نیز وطن والوں کے متعلقین کے نام اشعار

ہیں معنی لئے ہوئے اس صنعت کے ساتھ نظم کر گئے ہیں جیسے کوئی باکمال مرصع ساز انگشتریوں پر نگینے بٹھاتا چلا جاتا ہے۔ ناموں کا استعمال اور پھر اس حسن کے ساتھ کہ معنی میں روزمرہ اور محاورے سے سرمو فرق نہ ہو شاعر کی قادرالکلامی اور فکر رسا پر دلالت کرتا ہے خصوصاً ان اشعار پر دلانا کو جسقدر داد دی جائے کم ہے ؎

کیا نفیس اسکی ہیں لڑیاں صفت موج نسیم — سر پہ دی جا جگہ ہے اسی قابل سہرا
چاندنی بزم میں پھیلی ہی کہ ہی حسن کی چھوٹ — ہے تجلی سے شبیہ مہ کامل سہرا
بادشاہ آج بنا ہو گیا ذیجاہ شمیم — کشور حسن کا پایا جو محاصل سہرا
اختر حسن کی گوندھی ہی جو تابندہ لڑی — نذر کو لیکے چلا ہے مہ کامل سہرا

حقیقت یہ ہے کہ ان اشعار اور ان کی خوبیوں کو دیکھکر شبہ بھی نہیں ہوتا کہ مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات ؎

چوم لو خامۂ گلریز کا منھ اے عترت — کون لکھے گا بھلا اسکے مقابل سہرا

ساری محفل پر اک کیف سا چھایا ہوا تھا مختار صاحب اشتیاق صاحب قمر صاحب قیس صاحب ہر مصرع پر داد دے دے کر جھومتے تھے اور مزے لیتے تھے اور مشاعرے سے بھی رہ رہ کر تحسین کا نعرہ اٹھتا تھا۔ زبان کی شیرینی، اشعار کی خوبصورتی اور پھر ظالم نسیم کی دلکش آواز، بس اک سماں سا بندھ گیا تھا جس سے روح اب تک لذت یاب ہوتی ہے۔

ابھی داد و تحسین کا سلسلہ جاری تھا کہ جناب صدر نے کہا "حضرات! سہرا خوانی کا دور ختم ہوا پندرہ منٹ کے وقفہ کے بعد غزلخوانی شروع ہوگی"۔ عترت صاحب کے سہرے سے سامعین بے حد محظوظ ہوئے بھے اکثر چپکے چپکے ہوئے

کاغذ کو دوبارہ پڑھنے لگے بہت سے تہ کر کے جیبوں میں رکھنے لگے۔ اُدھر کارکنان
مشاعرہ نے حاضرین کو چھلتے وار چائے پلانی شروع کی اور خاکسار نے ایک گوشہ میں
رکھے ہوئے صدا نگار سے تواضع شروع کر دی۔ دراصل یہ اشتیاق صاحب کی جدت
آفرینی تھی جو دور اندیشی سے بھی خالی نہ تھی۔ اس قسم کے جلسوں میں جب کھانے
پینے والی چیزیں تقسیم ہونے لگتی ہیں تو عموماً ایک قسم کا انتشار اور بدمزگی پیدا ہو جاتی
ہے۔ شور وغل میں جمی ہوئی محفل اکھڑ جاتی ہے اور پھر وہ رنگ مشکل سے جمتا ہے
اشتیاق صاحب کے اشارے سے میں نے چیدہ چیدہ پتے الگ رکھ لیئے تھے
اُدھر چائے کا دور شروع ہوا اِدھر مے کا پیالہ چلے "گل لالہ کھلے" والا ریکارڈ بجنے
لگا۔ آنکھیں آرائشِ محفل کے نظارے میں محو، کان گراموفون کی طرف لگے
ہوئے گویا جنت نگاہ اور فردوس گوش کا عالم تھا، جس کے سامنے پیالی آتی
مخاطب کرنے پہ پینا شروع کرتا باقی سب پر ایک عالم کیف طاری تھا۔ "تری
ذات ہی ہی صفت تری ترا وصف کوئی کریگا کیا" (اربابِ حقّ) اور ماسٹر راحت کی مشہور
حقانی "سچ بتا او چھپنے والے تیرا مظہر کون ہے" اور اسی طرح کے دیگر گانے
مثلاً جوگیا اور بہاگ وغیرہ جو وقت کے لحاظ سے بھی موزوں اور مناسب تھے
مجمع کو مسحور کئے ہوئے تھے۔ چائے جناب رفعت حسین صاحب اور علی کوثر صاحب کے
اہتمام سے بے حد لذیذ تیار ہوئی تھی اور موسم کے لحاظ سے بقدر کافی تھی اسلئے
عمدہ اشعار کی طرح مکرر سہ کرر پیالیوں کی فرمائش ہونے لگی جس سے وقفہ
میں دس منٹ کا اضافہ کرنا پڑا۔ حقہ اور پان کا بھی دور ختم ہو گیا۔ دورانِ
شعر خوانی میں چونکہ سگرٹ وغیرہ پینے کی قطعاً ممانعت تھی اس لیئے لوگ جلدی
جلدی دو چار کش اس انداز سے لگا رہے تھے گویا سحری کھا چکے ہیں اور اذان

اذان ہونے والی ہے۔ اتنے میں صدر صاحب واقعی کھڑے ہوگئے اور فرمایا "حضرات، وقفہ ختم ہوا اب سماعت کے لئے تیار ہو جائیے کہ غزلخوانی کا دور شروع ہونے والا ہے جس کا آغاز غیر طرح غزلوں سے ہوگا" یہ کہکر صدر صاحب بیٹھ گئے اور فہرست میں دیکھکر جناب عشرت صاحب کو مدعو کیا۔ مولانا نے ایک تازہ غیر طرحی غزل سنائی جس سے سامعین نہایت محظوظ ہوئے اور بے حد تعریفیں ہوئیں ذیل کے دو تین اشعار تو اتنی دفعہ پڑھے گئے کہ لوگوں کو حفظ ہوگئے۔

ذرہ ذرہ عالم ہستی کا شمعِ نور ہے — ہیں مذاقِ حسن کی ہر سمت جلوہ پاشیاں
بن گئیں لیلائے انساں پر فسانہ بن گئیں — وہ میری شانِ وفا وہ تیری بے پروائیاں
لیلیٔ شب ہٹ گئی ظاہر ہوئی صبح جمال — کر چکا گیسوئے رخ محبوب سے اٹکھیلیاں

ایک غیر طرحی غزل اعجاز صاحب سے بھی حاصل کی گئی تھی لہذا وہ بھی پڑھوائی گئی مطلع نے رنگ جما دیا۔

سامنا دل سے ہے کس نرگسی پیمانے کا — رنگ کعبہ پہ چڑھا جاتا ہے میخانے کا
خاکِ پروانہ ہوئی زینتِ دامانِ صبا — کس سے سرنامہ رقم ہو مرے افسانے کا

افسانہ نویسی کے لئے خاکِ پروانہ کی تلاش، جو عشاق کے عقیدے میں خاکِ شفا کی سی عظمت رکھتی ہے، کس قدر پر اثر اور نئی ہے غزل گلدستے میں موجود ہے کئی اشعار مقبول ہوئے اور سامعین کی طبیعت گویا غزل سماعت کے لئے موزوں ہوگئی۔

اس کے بعد صاحب صدر نے مصرع طرح بہ آواز بلند پڑھا اور پیش نامہ کے مطابق غزلخوانی شروع ہوئی۔ اس مشاعرے میں جو خاص جدت

کی گئی وہ یہ تھی کہ عام مشاعروں کے برخلاف مشاہیر شعرا کے نام نومشقوں کے ساتھ ملا کر فہرست میں ستاروں کی طرح بکھیر دئے گئے تھے تاکہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف استادوں کا کلام سنا جا سکے اور مشاعرے کا رنگ از آغاز تا انجام برابر رہے۔ چنانچہ اس انتظام کی بدولت کسی مقام پر بھی بدمزگی اور پھیکاپن نہیں پیدا ہوا۔ مقامی اساتذہ کا کلام نہایت پسند کیا گیا۔ ہر ہر شعر پر داد و تحسین سے مشاعرہ گونج اٹھتا تھا۔ خصوصاً عشرت صاحب کی غزل مطلع سے مقطع تک مرصع تھی اشعار تھے کہ نشتر اور وہ بھی زہر میں بجھے ہوئے ؎

ہاتھوں میں جام در پہ نظر اور لبوں پہ دم ٭ آ دستِ ناز دیکھ سماں انتظار کا
ناکامیِ وصال کا آیا اُدھر جواب ٭ یاں سلسلہ بند ہوا مرے اشکوں کے تار کا

کیا تڑپتا ہوا شعر کہا ہے' وارداتِ قلب پھوٹے پڑتے ہیں اور جذبات کی عکاسی داد سے مستغنی ہے۔ خصوصاً دوسرا مصرع پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے الفاظ کے بجائے واقعی آنسوؤں کے قطرے ڈھلک رہے ہیں اور لفظ "سلسلہ" کی قیمت لگانی دشوار ہے۔ اسی طرح ذیل کا شعر' شادی کی ہماہمی اور مشاعرے کی رونق اور چہل پہل کے بعد مکان سے علی گڑھ واپس ہونے پر مجھے عرصہ تک تڑپاتا رہا ؎

اب ہم کہاں نسیم کہاں سیرِ گل کہاں ٭ لیتا ہے چٹکیاں وہ زمانہ بہار کا

مقطع ملاحظہ ہو جو سراسر مقطعِ حیات کی تصویر ہے موت کی کشمکش اور تغزل کی شدت نے شعر کو جذب و اثر کی جان بنا دیا ہے ؎

حق حق ادھر تھا نزع میں عشرت زبان پر ٭ واں جنبشِ نگاہ میں عالم تھا دار کا

لفظ "حق" کی تکرار' آخری وقت کی ہچکیوں کا کیا دلدوز نقشہ پیشِ نظر کرتی ہے

لیکن لذتِ دار کو چھوڑ کر رخصت ہونا بھی تو ننگِ عشق ہے ع زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا"۔

اعجاز صاحب کی سیر حاصل غزل جناب نسیم صاحب نے اپنے مخصوص لہجے میں سنائی۔ کیا خوب جچا تلا مطلع کہہ گئے ہیں ؎

کچھ ذکر چھیڑ کر رخ و گیسوئے یار کا     قصہ کرو تمام بھی لیل و نہار کا

مشاعرے سے داد و تحسین کا شور اور مکرر ارشاد کے نعرے صرف سننے سے تعلق رکھتے تھے کیا برابر کے مصرع ہیں اور لیل و نہار کے "طلسم ہوشربا" کو صرف دو لفظوں میں کیسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ ختم کر دیا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی زندگی کی تنوع اور طولانی داستان کے مقابلے میں "کچھ ذکر چھیڑ کر" کا ٹکڑا تہ بیت مزیدار ہے اور لفظ "بھی" کا استعمال دوسرے مصرع کے تیور میں چار چاند لگا دیتا ہے۔

یوں تو ہر شعر بیت الغزل تھا لیکن یہاں ذرا تسکین کا پہلو ملاحظہ ہو،

فرقت میں زلفِ یار کا منظر لئے ہوئے     تسکین دے رہا ہے اندھیرا مزار کا

آخری شعر کو سنکر سامعین تڑپ گئے پڑھا بھی اس انداز سے گیا کہ معلوم ہوتا تھا بجلیاں سمٹ کر کانوں کے راستے سے دل میں اتار دی گئی ہیں۔

مجھ سے نہ پوچھو برق کے جلوے کو دیکھ لو     آئینہ ہے وہ میرے دلِ بیقرار کا

اس "آئینہ" کی معنوی آب و تاب کے کیا کہنے ہیں جو سوزِ نہاں کی ناقابلِ بیان کیفیت کو فلمی تصویروں کی طرح جیتی جاگتی شکل میں پیش نظر کر دیتی ہے۔

اسی طرح قیس صاحب نے غزل پڑھی تو مشاعرہ جھوم گیا۔ ہر ہر شعر سے رنگ خاص تراوش کرتا تھا سچ تو یہ ہے کہ موصوف کے کلام میں شعریت اور تغزل کی پوری داد نہیں دی جا سکی۔

صبر و خرد تو چل دیئے شام فراق میں — اک ساتھ رہ گیا ہے دلِ بیقرار کا
واقف ہے چشمِ شوق جو منزل گذر گئے — عالم نہ پوچھو مجھ سے شبِ انتظار کا
دل میں خیال عارض و گیسو کا ہی بندھا — دورہ حلب کا ہے کبھی ملکِ تتار کا

یوں تو ذوق سلیم کے لئے ہر شعر حالیہ تھا مگر داد دینے میں عام لوگ بے حد احتیاط برتتے تھے کہ ایسا نہ ہو قیس صاحب کو تحسین بیجا کا شبہ ہو جائے البتہ تمام شعرا اور جناب اشتیاق صاحب وغیرہ ہر بیت کو اٹھاتے تھے اور داد دیتے تھے یہ صرف اسلئے نہیں کہ "سکوتِ سخن شناسی" کا الزام نہ عائد ہو بلکہ ان کی تعریف و تحسین میں قدر دانی اور خلوص کا عنصر غالب تھا۔ مندرجہ بالا آخری شعر کے مضمون سے احسن صاحب تلمیذ جناب عترت کو توارد ہو گیا جس کے اسلوب کی قیس صاحب نے بھی تعریف کی شعر یہ تھا ے

زلفِ سیہ کو چہرۂ روشن پہ ڈال کر — دامن ملا دیا ہے حلب سے تتار کا

قیس صاحب کے بعد ابھی تعریفوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ قمر صاحب (صدر مشاعرہ) نے اپنی جیب سے پرچہ نکالا اور کہا۔ حضرات چونکہ میرے پاس طرح ثانی پر غزل نہیں ہے اور آج اوّل و آخر کا فرسودہ مضمون بھی ترک کرنا ہے لہذا میں پہلے عرض کئے دیتا ہوں" اور مطلع عنایت فرمایا۔

دم بھر رہا ہوں میں جو کسی گلعذار کا — عالم ہے ہر نفس میں نسیمِ بہار کا

شعر پر جس قدر تحسین کی گئی ہے ظاہر ہے، اگر تعریف نہ ہوتی تو سراسر ناقدری کا ثبوت دینا تھا قمر صاحب کامیاب قصیدہ گویوں میں ہیں لیکن غزل میں بھی پیچھے نہیں ہیں۔ طویل علالت کے بعد تھوڑے ہی دنوں سے شفا پائی تھی نستعلیق منتظم اور نہایت خوش آواز آدمی ہیں اشعار ایسے پُر درد لحن سے پڑھتے ہیں کہ اکثر کی چھریوں پر سان پڑ جاتی ہے نقاہت اور دیر نشینی کے باعث آواز کانپ

رہی تھی جس سے زار نالی کا انداز پیدا ہو گیا تھا آخری شعر اور مقطع میں محسوس خدا تا
بھرے ہوئے تھے ؎

روشن رہے چراغ شبِ انتظار کا ۔۔۔ داغِ جگر کو اور فزوں کر غمِ فراق
یوں لاغری نے حال کیا جسم زار کا ۔۔۔ ہوتا ہے شک ہلال کا اب آپ پر قمر

چونکہ قمر پر ہلال کے شک میں مبالغہ مطلق نہ تھا سب لوگ بے حد متاثر ہوئے اکثر بزرگ دعائیں دینے لگے۔ حکیم بابا محبت اور ہمدردی کے ساتھ کھانے پینے میں پرہیز اور سردی سے احتیاط کرنے کے لئے قدغن کرتے رہے۔

نسیم صاحب غیر حاضر شعرا کا کلام سنانے کے لئے کئی بار تخت پر تشریف لا چکے ہیں اب پروگرام کے مطابق خود اپنی غزل سنانے کے لئے آئے۔ موصوف انگریزی میں ... ہیں۔ شاعری کے لئے نہایت مناسب طبیعت پائی ہے اور اردو ادب کی خدمات کا صحیح جذبہ رکھتے ہیں۔ عشرت صاحب کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ کلام میں جوانی کا جوش اور تخیل کا بانکپن پایا جاتا ہے پڑھنے کا انداز بھی نہایت دلکش ہے جو اشعار کے اثر اور حسن میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ میں موصوف کو بے تکلفی اور شگفتگی کے باعث "بزمِ ادب کی شمع" کہا کرتا ہوں۔ کیا جلا بھتا مطلع کہا ہے ؎

جلتا ہے اک چراغ شبِ انتظار کا ۔۔۔ سوزِ دروں سے حال یہ ہے قلبِ زار کا

ایک تو شعر کا تیور اور جدت ادا پھر سحر انگیز لہجے سے طرزِ خواندگی سامعین کے دلوں میں تیر اتر گیا اور شعر کے جذب و اثر سے ساری محفل پر ایک نیم جوانی طاری ہوگئی قیس صاحب وغیرہ نے تھوڑی دیر کے لئے اور اشعار پڑھنے سے روک دیا اور اکثر لوگوں نے کہا حضرت! رحم کیجئے بس اب تو غزل ہو گئی۔ غرض سارے مشاعرے کا یہ عالم تھا کہ واہ واہ کے بجائے آہ! آہ! کی صدا سے گونج گیا۔ دونوں مصرع

کس خوبی سے دست وگریباں ہیں اور اسلوب کی چستی وترکیب کی دل آویزی کے علاوہ "چراغ" کی تشبیہ کیا غضب ڈھا رہی ہے۔ غرض شعر معنوی و لفظی ہر خوبی کے لحاظ سے حاصل مشاعرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک شعر اور ملاحظہ ہو۔

دنیا قفس کی اور ہے صیاد کچھ نہ پوچھ　　　کیا جانے کب گذر گیا موسم بہار کا

اس پر بھی کافی تعریف ہو چکی "کچھ نہ پوچھ" کا ٹکڑا کتنا یاس آمیز ہے۔ لیکن صیاد کے بجائے کسی ہمدم یا ہمنوا سے خطاب ہوتا تو شعر بن جاتا۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے کئی ہونہار شعرا ملازمت اور تعلیمی پابندیوں کے باعث شرکت مشاعرہ سے معذور رہے البتہ بعضوں نے اپنے کلام بھیج کر ہمیں شکر گذاری کا موقع دیا۔ چنانچہ جناب ذکی احمد صاحب فہم کی غزل لطف حیدر صاحب نے نہایت سوز و گداز کے انداز میں سنائی سے

اللہ رے زور آمدِ فصلِ بہار کا　　　منظر بدل رہا ہے دلِ داغدار کا

کیا زور کا مطلع ہے۔ اور دوسرے مصرع کا تیور ثبوت کو کتنا وزن دار بنا رہا ہے۔ بار بار پڑھا یا گیا اور سامعین مزے لیکر جھومتے رہے۔ فہم صاحب چودہ پندرہ سال سے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کلکتہ میں مقیم ہیں وہیں سے انٹرنس پاس کر کے ریلوے کی ملازمت کر لی ہے طبیعت نہایت موزوں اور گداز پائی ہے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا خوش قسمتی سے جناب آرزو لکھنوی (مقیم کلکتہ) کی صحبت اور تلمذ کا شرف حاصل ہو گیا جن کی شفقت آمیز رہنمائی نے کلام کو اور بھی سلجھا دیا۔ ایک تو کلکتے کا سوغات اس پر رنگِ آرزو کا شوق، سامعین ہمہ تن گوش بنے تھے حالانکہ اس غزل کو جیسا کہ فہم صاحب کے خط سے معلوم ہوا، علالت کی وجہ سے استاد بالکل نہیں دیکھ سکے تھے موصوف اس مشاعرے سے بیشتر تین

بھینے کے لئے وطن میں تشریف لائے تھے بزم ادب کی تشکیل میں ان کی ذات نے بڑا کام کیا اور دورانِ قیام میں شعروسخن کی محفلیں برابر گرم رہیں موصوف کی دلچسپی کی بنا پر بھینے میں دو دو بار مشاعرے ہونے لگے تھے دیکھئے یہ تضمین بھولی نہیں ہے

آرام کچھ وطن کا کچھ احباب کا کرم  بھولا سا خواب ہے یہ غریب الدیار تھا

مطلع کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے ذیل کا آخری شعر صرف ذوق سلیم سے داد طلب ہے

کھلتے ہی پھول ہونے لگے زخم دل مرے  آؤ تمھیں دکھائیں تماشہ بہار کا

نعرہ ہائے تحسین سے مشاعرہ گونج اٹھا۔ کیا بے پناہ شعر کہا ہے اسلوب اور حسنِ ادا کی دل آویزی قابل تعریف کے قابل ہے شاعر کی موجودہ رنگینیٔ تخیل اور جدت ادا کو دیکھکر شاندار مستقبل کی جھلک نظر آتی ہے یوں تو ساری غزل مرصع تھی مگر مقطع میں حسنِ کردار اور تخلص کا نباہ ملاحظہ ہو

حق کہنے میں دریغ کروں کیا مجال فہم  خوف رسن ہے مجھکو نہ اندیشہ دار کا

خوب خوب تعریفیں ہوئیں خصوصاً قیس صاحب و عترت صاحب نے ہر مصرع پر داد دی ناانصافی ہوگی اگر لطف حیدر صاحب کے پڑھنے کا ذکر نہ کیا جائے جو کہ نہایت سحر انگیز تھا اور فہم صاحب کی غزل کو اپنے مرتبے سے گرنے نہ دیا اس مشاعرہ میں اس بات کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا تھا کہ کسی شاعر کی غزل کو غیر شاعر سے ہرگز نہ پڑھایا جائے چنانچہ لطف حیدر صاحب بھی ہمارے نوجوان شعرا میں خاص درجہ رکھتے ہیں کلام گلدستہ میں موجود ہے اور قابل دید ہے۔

اس کے بعد جناب بادشاہ حسین صاحب تشریف لائے اور اپنی غزل کے علاوہ مولوی محمد عاقل صاحب اور شاہد حسین صاحب کی غزلیں بھی سنائیں۔ بادشاہ صاحب پرائمری اسکول ھلور کے نہایت ہردلعزیز اور کامیاب ماسٹر ہیں۔

شعر گوئی سے زیادہ شعر فہمی کا مذاق رکھتے ہیں مولوی اعجاز صاحب سے
تلمذ حاصل ہے۔ اور زر تخلص کرتے ہیں موصوف کا شمار اگرچہ "نئی امت" میں ہے
لیکن ہمہ گیر طبیعت پائی ہے کئی اشعار پسند کئے گئے۔ سے

افسانہ جانتے ہو جسے روزگار کا ۔۔۔ وہ اک ورق ہے میرے دل داغدار کا
ہستی ہی تار تار ہے ہاتھوں سے عشق کے ۔۔۔ کیا ذکر دامن اور گریباں کے تار کا

پہلے مصرع میں "تار تار" کتنا جذب و اثر رکھتا ہے البتہ "ہاتھوں سے عشق کے"
محل نظر ہے "عشق کے ہاتھوں" ہوتا تو بہتر تھا۔ جیسا کہ خواجہ میر درد فرماتے ہیں۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ۔۔۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ذیل کے شعر میں "قدر مردم بعد مردن" کی ایک پر اثر تصویر ملاحظہ ہو۔

نفرت تھی زندگی میں جنھیں ذکر سے مرے ۔۔۔ اب وہ ہیں اور طواف ہے میرے مزار کا

عاقل صاحب قصبہ کے نہایت خلیق، علم دوست، با مذاق، یار باش اور
خوش گفتار لوگوں میں ہیں۔ بے حد کامیاب ٹیچر ہیں پانچ چھ سال نارمل اسکول
گورکھپور میں بھی ماسٹر رہ چکے ہیں۔ اعلیٰ قابلیت (اردو و ہندی) منشی، کامل
انٹرنس ایف اے سب کچھ کر چکے ہیں اور حصول علم کے شوق کا یہ عالم ہے کہ
ہر سال کسی نہ کسی امتحان میں شرکت کرتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عام طور سے
"قبلہ" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور اکثر بے تکلف دوست "مولوی کثیر الاسناد
صاحب" بھی کہا کرتے ہیں مستقل مزاجی اور ہمت کی یہ شان ہے کہ جب کسی امتحان
میں "قلم ٹوٹ جانے" یا "کاپی پر روشنائی گر جانے" کے باعث رہ جاتے ہیں
تو اسے "فرسٹ ایئر" سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسرے سال "فائنل" سمجھکر دوبارہ
بیٹھتے ہیں۔ مطالعہ نہایت وسیع ہے اور قلم میں جادو کا اثر رکھتے ہیں متعدد تنقیدی

مضامین اور افسانے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں مولانا قصبہ کے ترقی خواہ اور
مصلحین میں سے ہیں "نوبہار پریس" آپ ہی کی مساعی کا شاندار نتیجہ ہے جو صرف
ادبی خدمت کے لئے کھولا گیا ہے۔ اس مشاعرے میں اگر کسی قسم کی خامی
تھی تو وہ قبلہ کی عدم شرکت تھی سب سے زیادہ لطف اور راز کی بات یہ
ہے کہ موصوف طبعاً شاعر نہیں ہیں مگر بوقت ضرورت کام آنے کے لئے جو
چاہتے ہیں فی البدیہہ کہہ لیتے ہیں چنانچہ مجھے یقین ہے کہ اگر مشاعرے میں
بہ نفس نفیس تشریف لاتے تو غزل ہرگز نہ سناتے۔ کلام صرف اس لئے بھیجا
تھا کہ شرکت کا اور کوئی طریقہ کار نہ تھا غزل کے ساتھ میرے نام جو معذرت
نامہ بھیجا تھا وہ بھی ادبی حیثیت سے خاص چیز تھی کاش اس مختصر رسالے کا حجم
قبول کرتا تو وہ خط بھی ضرور شائع کر دیا جاتا۔ غزل کا مطلع کیسا رسیلا ہے۔

کتنا حسین پہلو ہے صبر و قرار کا — سایہ ملا ہے نزع میں دامانِ یار کا

کچھ بھی ہوا اک بات ہو گئی ہے جس پہ۔ کافی تعریف ہوئی اسی طرح آخری
شعر اور مقطع میں تخلص کا استعمال ملاحظہ ہو۔

ملتے ہی آنکھ نشترِ غم دل میں چبھ گیا — انجام کیا ہو دیکھئے آغازِ کار کا
عاقل فریبِ دہر میں ہرگز نہ آئیو — کیا اعتبار عالمِ بے اعتبار کا

اس کے بعد شاہد صاحب کی غزل پڑھی گئی موصوف قصبہ کے ہونہار
نوجوانوں میں سے ہیں اور قانونگوئی ٹریننگ اسکول ہردوئی میں تعلیم حاصل
کر رہے ہیں شعر و سخن سے فطری ذوق ہے اور موجودہ رنگ سے امید افزا
پیشنگوئی کی جا سکتی ہے۔ مشاعرے میں اکثر اشعار پر کافی داد و تحسین ہوئی
مطلع اور ذیل کے اشعار خاص طور سے پسند ہوئے۔

کیا حال پوچھتے ہو مرے قلب زار کا | لوٹا خزاں نے آکے خزانہ بہار کا
خاموشیوں سے ہوگیا تصویر درد کی | گرنا وہ ٹوٹ کر مرے اشکوں کے تار کا
ہر لمحہ زندگی کا اسی شغل میں کٹے | یارب زمانہ اور بڑھے انتظار کا

آخر میں توقیر حسن صاحب عزت کی غزل پڑھی گئی۔ موصوف ہماری بستی کے نوجوان شعرا میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں انگریزی میں میٹرک ہیں اور فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں علاوہ اس کے حکمت اور نجوم سے بھی دلچسپی ہے آجکل ضلع سارن میں تار بابو ہیں ریلوے سروس کی غیر شاعرانہ مصروفیت کے باعث کچھ دنوں سے طبیعت پر جبر کر کے کہنا چھوڑ دیا ہے لیکن خاکسار کی درخواست پر قلتِ وقت کے باوجود اپنا کلام بھیجکر مشاعرے کی رونق بڑھادی۔ ذیل کا شعر حاصل غزل سمجھا گیا اور تحسین و تعریف کے ساتھ بار بار دہرایا گیا۔

اجڑیں وفورِ غم سے تمنا کی بستیاں | رنج خزاں رہا نہ مزا اب بہار کا

کیا اثر میں ڈوبا ہوا شعر کہا ہے معلوم ہوتا ہے الفاظ نہیں جگر پارے ہیں خصوصاً دوسرے مصرع میں مایوسی و ناکامی کی ادا کلیجہ نکال رہی ہے۔ شاید انھیں جذبات نے اصغر مرحوم کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا ؎

بارِ الم اٹھایا رنگِ نشاط دیکھا | آئے نہیں ہیں یونہی اندازِ بے حسی کے

حقیقت یہ ہے کہ ایسے اشعار وہی لکھ سکتا ہے جس کی سخت کوشیوں نے زمانے کے سرد و گرم اور نشیب و فراز کو ہموار کر دیا ہو۔ مقطع ملاحظہ ہو اسلوب ادا حسنِ ادا میں کافی دل آویزی ہے۔

عزت مری لحد میں چراغاں ہے بہر طور | ممنون ہوں میں اپنے دلِ داغدار کا

داد و تحسین کا سلسلہ ہنوز جاری تھا کہ تاج الشعرا جناب ہمتاز حسین صاحب

از خود تخت پر تشریف لائے۔ صدر نے اخلاقاً تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ موصوف کو ایک بحر سے دوسری میں پھاند جانے کا کمال حاصل ہے وزن میں آدھے وڈیوڑھے کو بھی جائز سمجھتے ہیں اور اکثر تو جب پورے طور سے مضمون ادا ہوتا نظر نہیں آتا تو "کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے" کہکر بحر طویل میں تیرنے لگتے ہیں کوئی خاص تخلص اختیار کرنا لغو سمجھتے ہیں آخری شعر میں منقار، چونچ، بلبل، مردہ، قبر، مدفن غرض جو اسم نظم ہو جائے وہی تخلص جانئے اس سے ایک آسانی یہ بھی ہے کہ اگر کسی دوسرے کی غزل پڑھی ہو تو مطلع سے مقطع تک بے خوف و خطر پڑھ جاتے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں آج مجھے یہی تخلص اچھا معلوم ہوا گرہ لگانے میں ید طولیٰ حاصل ہے اور "گر" اسکا یہ ہے کہ جہاں دوسرا مصرع نظم کرنے میں دقت محسوس ہوئی جھٹ مصرع طرح کو جڑ دیا۔ نہایت کرخت آواز میں یکایک مطلع چلائے۔

بھولا ہوا فسانہ کہو روزگار کا ہے تابنا پوال کا کھانا اودھار کا

ہزل کی بھنک پا کر عوام یکایک بیدار ہوگئے اور واہ واہ کا شور بلند ہونے لگا البتہ لوگوں کو تعجب ہوا کہ آج تو دونوں مصرعے کچھ برابر معلوم ہوتے ہیں۔ در اصل یہ عشرت صاحب کی شگفتہ مزاجی کا نتیجہ تھا کہ سات آٹھ بیت وہیں بیٹھے بیٹھے نظم کرکے حاضرین کے لئے تفریح طبع کا سامان کر دیا ہے

ابرو میں تیرے اب نہیں باقی وہ تیز پا پانی اتر گیا ترے خنجر کی دھار کا

زلف سیہ کے کھلتے ہی ناگن کا شک ہوا محفل میں ایک شور ہوا مار مار کا

عشرت شراب پیتا ہے واعظ کے بھیس میں ٹٹی کے آڑ ہی میں مزا ہے شکار کا

ان اشعار پر آخری صف سے مکرر ارشاد کے خوب خوب نعرے لگے "واہ استاد"

مشاعرہ پٹ گیا ناگن اور مار مار گیا خوب! بے پناہ شعر کہا ہے" وغیرہ وغیرہ غرض داد و تحسین کا ہنگامہ مچ گیا خواص میں بھی لوگ محظوظ ہو کر مسکراتے رہے اور سرتاج صاحب کو داد دیتے رہے۔ بابا سے ایک صاحب نے پوچھا" قبلہ سو تو نہیں رہے ہیں"؟ بولے" نیند تو آئی تھی مگر جب سانپ مارتے وقت شور ہوا تو چونک پڑا" اس بذلہ سنجی پر تو نوشہ میاں بھی کھلکھلا پڑے۔

اس کے بعد صدر صاحب نے اعلان کیا" حضرات طرح اول کی غزلیں ختم ہو گئیں اب مناسب ہے کہ ایک دفعہ اور چائے پانی ہو جائے" تاکہ طبیعت میں تازگی پیدا ہو جائے اور مشاعرہ بجائے سستی اور ٹھنڈک کے جوش و سرگرمی کے ساتھ ختم ہو۔ کارکنانِ جلسہ نے فوراً چائے اور پان وغیرہ تقسیم کیے اور حقہ کا بھی اک ہلکا سا دور ہو گیا اور پندرہ منٹ کے بعد دور سوئم کا آغاز ہوا اور صدر صاحب نے طرح ثانی پڑھکر شعرا کو یکے بعد دیگرے مدعو کرنا شروع کیا نسیم صاحب نے چلتے چلتے اپنی سحر انگیز لے سے لوگوں کو پھر مسحور کر دیا ؎

کچھ شوخ ایسے رنگ بہار چمن کے ہیں  
بے چین قلب سینوں میں تو یہ غنچے ہیں

چاہیں تو دم میں سارے بگولوں کو پھونک دیں  
آوارہ گرد ہم بھی محبت کے بن کے ہیں

فصل بہار آ گئی جوش جنوں بڑھا  
پھر تار تار آج مرے پیرہن کے ہیں

اپنی غزل پڑھنے کے بعد موصوف نے اعجاز صاحب کا کلام سنایا۔ کیا چٹکیلا مطلع کہا ہے۔

آئے جو شوق سیر چمن میں وہ بن کے ہیں  
کچھ ہم بھی آج بیٹھے ہوئے دل میں ٹھن کے ہیں

وہ آج چونکہ صرف "بن" کے آرہے ہیں لہذا سوائے "ٹھن کر بیٹھنے" کے چارہ ہی کیا تھا۔ البتہ دوسرے مصرع میں "کچھ" کی داد دینے کا پورا حق صرف

مشاعرہ والے ادا کر سکتے ہیں ؎

آب ہوا ہے اور ہی رنگ فضا ہے اور — پھولوں سے بڑھ کے حسن میں کانٹے وطن کے ہیں
دردِ آشنا ہے کوئی نہ غمخوار ہے کوئی — کس سے کہوں جو دکھڑے دلِ پرمحن کے ہیں

اسیر مشاعرے سے تحسین کا شور اٹھا۔ کس قدر دردناک شعر ہے کہ دل پر اثر کرتا ہے مقطع ملاحظہ ہو اسلوب میں کسقدر رستی ہے پھر تخلص کے بنا نے میں کیا کمال دکھایا ہے۔

اعجاز دیکھنے کے لئے چاہیئے نظر — اُگلے ہوئے گہر یہ ہمارے دہن کے ہیں

اس زمین میں صرف چند شعرا نے طبع آزمائی کی تھی لیکن سب کا کلام قابل دید ہے سب سے آخر میں عشرت صاحب نے اپنی غزل پڑھی جو مجموعی حیثیت سے مرصع کہی جا سکتی ہے ہر شعر پہ نعرہ ہائے تحسین سے مشاعرہ گونج اٹھتا تھا اور سخن فہم حضرات مست ہو جاتے تھے۔

شاید مقابلہ ہے دُرِ گوشِ یار کا — اڑتے ہوئے جو رنگ سہیل یمن کے ہیں!
اشکوں کے تار ٹوٹ کے دامن پہ کہتے ہیں — ہم آج منتظر کسی وعدہ شکن کے ہیں

ستاروں کے جھلملانے کو اڑتے ہوئے رنگ سے تعبیر کر کے کیا خوب توجیہ کی ہے اور دوسرے شعر میں الفاظ کی سلاست اور رقص صوتی کا لطف صرف ذوق سلیم اٹھا سکتا ہے آنسوؤں کے قطرے کو جو ڈھلک کر دامن پر آ رہے ہیں کسی بے درد اور وعدہ شکن کا منتظر کہنا کسقدر جدت اور سوز و اثر سے پُر ہے اسی طرح ذیل کا شعر شاید ہمیں ایسے دور افتادوں کے حسب حال کہا گیا ہے۔

رہ رہ کے انکی یاد کھٹکتی ہے قلب میں — پھولوں سے بھی عزیز جو کانٹے وطن کے ہیں

غرض عشرت صاحب کی غزل نے مشاعرے کو چمکا دیا! اور صدر کے ادائے تشکر اور

اعلان اختتام کے بعد لوگ بعض اشعار کو دہراتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے اور مشاعرہ جشنِ کامیابی ٹھیک ایک بجے شب کو سرانجام پا گیا :-

---

ناانصافی ہوگی اگر ہم جناب مہدی حسن صاحب و برجیس قدر صاحب بدرالحسن صاحب اور نسیم صاحب سکریٹری بزم ادب کا شکریہ نہ ادا کریں جن کے حسن انتظام کے بغیر مشاعرے کو یہ شاندار کامیابی ہرگز نصیب نہ ہوتی آرائش محفل اور روشنی کی بہار جناب بدرالحسن صاحب علی کوثر صاحب اور میر صاحب لکھنوی کی مساعی کا درخشاں کارنامہ تھی ہم ان حضرات کے بھی تہ دل سے شکر گذار ہیں جنہوں نے ہماری درخواست پر اپنا کلام بذریعہ ڈاک عنایت فرمایا۔

ہمیں افسوس ہے کہ گلدستہ بہت دیر میں شائع ہو سکا اسکے وجوہ تو بہت کچھ لکھے جا سکتے ہیں مگر وہ سب کے سب فروع ہوں گے اصل یہ ہے کہ روئداد کی ترتیب کے لئے ع "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" لکھنے لکھانے کا کوئی تجربہ نہیں رسالے کے حجم کو نظر انداز کر کے صفحے و صفحے کی روئداد کو شیطان کی آنت بنا ڈالا پھر مسودہ ایک عرصہ تک یوں ہی پڑا رہا بالآخر ان محدود اوراق میں جسقدر آ سکا نقل کر کے پریس میں بھیجدیا۔ ان خرافات کے مطالعے میں ناظرین کا جو قیمتی وقت ضائع ہوا ہو اس کے لئے معافی خواہ ہوں۔

بہ حرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

احقر شبیہ الحسن

# سہرے

## تاریخی مبارکباد

### منجانب بزمِ ادب ہلّور ضلع بستی

(از جناب عترت ہلّوری)

مبارک ہو سرِ زلفِ دوتا سہرا مبارک ہو
اندھیری رات میں یہ چاند سا سہرا مبارک ہو

بلند اقبال کتنا ہو گیا ہے روئے نوشہ پہ
بنا ہے سایۂ بالِ ہما سہرا مبارک ہو

نگاہیں ہٹ نہیں سکتیں وہ جذبِ حسنِ کامل ہے
رخِ نوشاہ پر یہ خوشنما سہرا مبارک ہو

مرقع ہے یہی ماں باپ کے جذباتِ الفت کا
شمیم احمد تجھے یہ دلربا سہرا مبارک ہو

کلیجہ بڑھ گیا ہاتھوں طفیل احمد کا شادی سے
انھیں بیٹے کے رخ پر دیکھنا سہرا مبارک ہو

یہ ہے شادی کا عالم موتیاں شبنم لٹاتی ہے
چمن میں کہتی ہے موجِ صبا سہرا مبارک ہو

رخِ رنگیں پہ نوشہ کے جو دیکھا رنگ پھولوں کا
پکاری شوخیِ رنگِ حنا سہرا مبارک ہو

دہم کو جنوری کی روزِ سہ شنبہ بحمد اللہ
شمیم احمد تمہارے سر چڑھا سہرا مبارک ہو

شبیہِ سال عترت کھینچتا ہے اشتیاق اپنا
رخِ نوشاہ پر یہ بے بہا سہرا مبارک ہو

۱۹۳۹ء

### اعجازؔ۔ جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب مدرس جلور

کیوں نہ ڈالے دلِ خورشید میں ہلچل سہرا — رُخِ نوشہ پہ جھلکتا ہے جھلاجھل سہرا
گرمیِ نوشاہ کو مجمع کی نہ کثرت سے لگے — اس لئے مروحۂ جنباں ہے مسلسل سہرا
جذب کرنے کے لئے حسن کی گرمی کا عرق — رُخِ نوشہ پہ بنا حور کا آنچل سہرا
نازیہ کاہکشاں پر ہے مجھے کیوں گردوں — لے کے دکھا ہیں خورشید کی مشعل سہرا
دیکھکر کہتی ہیں پریاں ہے عجب دیدہ فریب — حوریں کہتی ہیں گلے کا ہے یہ ہیکل سہرا
دل سے ملتا ہے یہ موجِ مئے رنگین ہوکر — بن کے آنکھوں میں سماجاتا ہے کاجل سہرا
اشتیاق آنکھوں کا وابستۂ ضامن منزل — دیکھنے کے لئے ہر ایک ہے بیکل سہرا
رُخِ نوشہ پہ مبارک بہ طفیلِ احمدؐ — شمیمِ گلِ ارماں کا مشکل سہرا
دے اب اعجازؔ دعا ہو یہ مبارک شادی — ہوگیا گو ہر مضمون سے مکمل سہرا

### حیدرؔ۔ جناب لطف حیدر صاحب (محرر رجسٹرار قانونگو ڈومریا گنج)

دکھاتا ہے میانِ بزم اپنی دلبری سہرا — ہیں بے خود اہلِ دل کرتا ہے یوں فتنہ گری سہرا
مشامِ دل معطر ہوگئے خوشبو سے پھولوں کی — شمیمِ گل نے شاید خود ہی گوندھا عنبری سہرا
گگند ہے ہیں چاندنی کے پھول یا ہیں عرش کے تارے — نگاہِ شوق سے تکتا ہے چرخِ چنبری سہرا
رخِ نوشاہ سے اٹکھیلیاں کرتا ہے محفل میں — کہ ہے آئینۂ اندازِ ناز و دلبری سہرا
گلِ گلزارِ جنت کا ہو دھوکا سر پہ نوشہ کے — جو دیکھیں آکے حوریں خلد سے اس سر کا سہرا
ہر اک چشمِ تمنا میں کھپا جاتا ہے رہ رہ کر — رہے یارب ہمیشہ بدنگاہوں سے بری سہرا
مبارک ہو طفیلِ احمدؐ کو یہ ساعت مبارک — پسر کے رخ پہ دکھلاتا ہے شانِ برتری سہرا

گلِ رنگیں مضامیں کے کھلے ہیں بزم میں حیدرؔ
کرے گا کیا ترے سہرے کی کوئی ہمسری سہرا

**قیسؔ۔ جناب سید حامد حسین صاحب رضوی مدرس ہلور**

ساتھ لایا ہے نئے رنگ کا ساماں سہرا گل ہیں مہتاب فلک کہکشاں تاباں سہرا
مُردہ دل ہو گئے نظارہ سے زندہ سرِ بزم بارک اللہ بنا عیسیٔ دوراں سہرا
بزم ہے عطر فشاں فیضِ شمیمِ گل سے آج تو بن گیا ہم رنگِ گلستاں سہرا
وہ فضا ہے وہ سماں ہے وہ ہے آرائشِ بزم دیکھتا ہے نگہ شوق سے رضواں سہرا
صنِ عیش ہے اس محفلِ شادی کی بہا دیکھکر مست ہے چشمِ دل انساں سہرا
حق نے یہ روز دکھایا یہ طفیلِ احمد صورتِ غنچۂ لبِ گل سے ہے خنداں سہرا
شادیٔ روح فضا تجھکو مبارک نوشہ رُخ پہ مقنع ہے فدا سر پہ ہے قرباں سہرا
بزمِ حسنِ رُخِ نوشاہ میں کیونکر ہو گذر دیکھئے دیکھئے ہے آپ ہی دربان سہرا
بہرِ نوشاہ پئے نذر میانِ محفل لایا خورشید ہے کرنوں کا درخشاں سہرا
دُرِ مضموں سے بنا کر پئے نذرِ نوشہ لایا ہوں بزم میں اے قیسؔ سخنداں سہرا

**انورؔ۔ جناب سید مجاور حسین صاحب ہلوری سر کل انسپکٹر آبرولہ بنک**

دولھا کو ہو مبارک باآب و تاب سہرا یہ بے نظیر سہرا یہ لاجواب سہرا
کرنوں کو اپنی کردے لے مہر تو نچھاور رکھتا نہیں جہاں میں اپنا جواب سہرا
صدقے اترنے کو یہ اترا ہے آسماں سے ہے مہر روئے نوشہ اور ماہتاب سہرا
دیکھو طفیلِ گل کا سب بزم ہے معطر رُخ پر شمیم کے ہے مثلِ گلاب سہرا
لڑیوں کی ہے جھلک یا ساغر چھلک رہے ہیں مستی میں بن گیا ہے موجِ شراب سہرا
لہرا رہی ہیں گویا ماں باپ کی مرادیں ہے بحرِ آرزو کا دُرِ خوش آب سہرا

چھوڑا نہیں ہے کچھ بھی شعرائے ماسلف نے
لاکھوں میں پھر بھی انورؔ ہے لاجواب سہرا

**نذیرؔ - جناب ڈاکٹر سید نذیر احمد صاحب ایچ ایل ایم ایس**

رُخِ روشن ہے ترا ماہ تو اختر سہرا
سرِ محفل ہوا اک نور کا منظر سہرا

مژدہ محفل میں ہی یہ بادِ بہاری لائی
ہے بنا دولہا شمیم اور چڑھا سر سہرا

بڑھ گئی دُر کی لڑی سے بھی لڑی پھولوں کی
پھر نہ کیوں آئے نظر آنکھوں کو خوشتر سہرا

دیکھکر سہرے کو سب مست ہوئے محفل میں
کتنا جوبن ہی غضب پاتا ہی گز بھر سہرا

رنگ لایا ہے نیا باغِ طفیلِ احمدا
کیوں نہ ارمان کا بن جائے گلِ تر سہرا

رُخِ نوشاہ کی لیتا ہے بلائیں دیکھو!
شانِ الفت کی دکھاتا ہی سراسر سہرا

ہے کوئی بزم میں ہمسر ترے سہرے کا نذیر
یوں تو سب کہنے کو کہتے ہیں برابر سہرا

**عترتؔ - جناب مولانا سید عترت حسین صاحب رضوی صدر دارالاشاعت لکھنؤ**

ذیل کے سہرے کی شانِ نزول یہ ہے کہ شاعر سے ایک روز قبل مصنف مذکور یوں ہی ملاقات کیلئے تشریف لائے تھے کہ نوشہ میاں نے سہرے کے متعلق یاددہانی کردی اسپر مولانا نے تفننِ طبع کے لئے فی البدیہہ یہ پانچ بیت لکھکر پیش کی۔

چڑھا سر بصد جاہ و اجلال سہرا
مبارک شمیم خوشِ اقبال سہرا

تمنائیں ماں باپ کی کہہ رہی ہیں
مبارک ہو تجھکو مرے لال سہرا

طرب خیز ساعت مبارک گھڑی ہے
چڑھا سر پہ نوشہ کے امسال سہرا

یہ شادی مبارک ہو دولہا دلہن کو
مسرت میں گاتے ہیں قوال سہرا

قصیدہ بھی لکھے گا اک روز عترت
مگر نذر کرتا ہے فی الحال سہرا

# آغا۔ جناب حکیم میرزا آغا حسین صاحب خلجی فیض آبادی

(حسب فرمائش سید اشتیاق حسین صاحب انسپکٹر)

بن گیا مطلعِ انوار سراسر سہرا
رخِ نوشاہ ہے مشرق شہِ خاور سہرا

اشتیاق آج جو محفل کو بہت دید کا تھا
فضلِ خالق سے بنا نور کا منظر سہرا

ساری محفل ہوئی روشن بہ طفیلِ احمد
پُرضیا جب ہوا نوشاہ کے سر پر سہرا

جسکے پھولوں پہ بہارِ گلِ جنت صدقے
وہی لیتا ہے بلائے رخِ انور سہرا

ہے مبارک یہ عروسی کہ علی ضامن ہیں
پڑھ کے صلواۃ یہ کہتا ہے مکرر سہرا

سر بنا چرخِ بریں گیسوئے مشکیں شبِ وصل
ماہ دولھا کی جبیں ہے تو ہے اختر سہرا

ذکر رندوں کا ہی کیا ہوتا ہے واعظ بیخود
جبکہ انگڑائیاں لیتا ہے برابر سہرا

جھومتا سوئے قدم سر سے چلا مستِ خرام
پی کے آیا مئے مدحت کا جو ساغر سہرا

کیوں نہ معراجِ محبت ملے اسکو سر پر
باندھا جب سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا

کیوں نہ محفل یہ ہو شبنم گلِ احمد سے بسے
جبکہ ہو زلفِ معنبر سے معطر سہرا

مسکراتے ہیں جو غنچے تو ہنسے دیتے ہیں گل
بلبلیں پڑھتی ہیں جس وقت یہ گا کر سہرا

زر سے پھولوں کے کٹوروں کو لیا اب بھر کر
رخِ نوشاہ پہ کرتا ہے نچھاور سہرا

موتیوں سے جو بھرے شبنم نے دامن گل کے
صدقے دولھا پہ وہی ہو گئے بنکر سہرا

رہیں آباد سدا دولھا دلھن دنیا میں
کرے دونوں کو یہ منصور و مظفر سہرا

پھر ہو یا رب یہ انہیں رخِ زیبائے زنی
تاکہ احباب سنیں آ کے مکرر سہرا

گو کہ جلدی میں لکھا تو نے یہ آغا لیکن
وجد میں آگیا ہر اک ترا سن کر سہرا

## عشرت — جناب مولانا عشرت حسین صاحب رضوی صدر دار الانشاء لاہور

دکھاتا ہے سر بزم طرب جلوہ گری سہرا
رخ نوشہ پہ ہے صد رشک ماہ انوری سہرا

یہ ہیں اوراق گل یا ہے صحیفہ حسن قدرت کا
کریں سجدہ اگر دیکھیں بتان آذری سہرا

نگاہ رشک سے خورشید بھی ہے محو نظارہ
رخ نوشاہ پر نازاں ہے ہر رنگ تری سہرا

نچھاور کو شمیم گل چمن سے لائے شمیم آلی
جو باندھا تو نے روئے مشکبو پر عنبری سہرا

طفیل احمد مختار سے شادی یہ راس آئے
مبارک ہو بحق مالک جن و پری سہرا

ہیں لٹ بار نور کی سطریں لٹکی ہیں آنکھ گر دیکھ
رخ روشن پہ ہے شکل بیاض انوری سہرا

گل خورشید میں زردی گل مہتاب مانند
نگاہ ماہ و خور سے دیکھ چرخ اخضری سہرا

دیے مضمون کی لڑیوں سے کیا آراستہ عشرت
کہ لچکالی ہوئی نظر دل سے دیکھیں جوہری سہرا

## عشرت — جناب توقیر حسن صاحب بلہوری تار بابو تھانہ ضلع سارن

سر پہ نوشاہ کے ہے آج نمایاں سہرا
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ تاباں سہرا

ڈھیر پھولوں کا ہے اور تار ہیں سارے سنبل
سر نوشاہ پہ ہے آج گلستاں سہرا

روک ٹوک ہوتی ہے تب رخ پہ پہونچی ہے نگاہ
ہے بنا حسن کی سرکار کا درباں سہرا

دائرے حرفوں کے ہیں صورت گلہائے چمن
ہے شمیم گل مضموں سے گلستاں سہرا

ضامن اخلاص و محبت کی ہے ہر ایک لڑی
ہوئے گلہائے محبت یہ ہے نازاں سہرا

حق سلامت رکھے تجھکو بہ طفیل احمد
لکھ کے لایا ہے ترا آج ثنا خواں سہرا

زلف ہیں تار ہیں سہرے کہ شب ہیں یہ سحر
کر رہا ہے عجب اعجاز نمایاں سہرا

یوں تو کہنے کو سبھی کہتے ہیں سہرے لیکن
لاکھ سہروں میں ہے عشرت کا نمایاں سہرا

# مینائی۔ جناب نذیر احمد صاحب کاکوروی ایڈیٹر جمہور ہند بستی

(حسب فرمائش علی حسین خاں صاحب ضا عطار بستی)

ترے سہرے پہ چڑھ کے پا تے جیسے عروج اے ذی حشم سہرا
بڑھا کیوں نہ حسن رخ نوشہ و سیاہ ہم سہرا
جبیں صاف ہے تیری کہ آئینہ سکندر کا
نہ جانے گیسوئے پر پیچ ہی کا ہے یہ بگڑی ہے
کوئی دیکھے تو کیونکر جلوۂ حسن رخ نوشہ
نہ کیوں ہر ہر قدم پہ تیوری اپنے پہ ہیں چڑھائے
علی ضامن مبارک آپ کو پوتے کی شادی ہو
طفیل احمد شگفتہ کیا نہ ہوں اس بزم شادی میں
شمیم احمد سے طرہ دمبدم جھک جھک کے کہتا ہے
نہیں معلوم کس مدت سے ہے ارمان پا بوسی
برابر کی ہیں چھوٹی حسن کی شیدائی دو نو ہیں
لئے دیتا ہے خیرہ چشم بد بیں کو سر محفل
نئی رنگینیاں ہر پھول کے دامن میں ہیں گویا
رہے نوشہ کے سر پر سایہ دامان پیمبر کا

بلا گردان ہو محفل میں کیوں کر دمبدم سہرا
جوانی کا تقاضا ہے یہ باعث جاہ و حشم سہرا
بنا ہے یہ تو رخ سے جو ابھی جام جم سہرا
کہ جنبش میں ہے طرہ کھا رہا ہے پیچ و خم سہرا
کسی پہلو یہ قائم ہی نہ ہو جب ایکدم سہرا
کہ نوشہ آسمان حسن ہے ابر کرم سہرا
رہے نوشہ پہ سایہ ہر گھڑی جیسے قدم سہرا
سر نوشاہ پہ دیکھیں جو با جاہ و حشم سہرا
مبارک ہو مبارک تجھکو اے عالی ہمم سہرا
ہوا جاتا ہے ہر ہر گام پہ فرش قدم سہرا
نہ کم تھے سے ہیں زلفیں نہ ہے زلفوں سے کم سہرا
فروغ حسن کی بجلی گرا کر دمبدم سہرا
اڑا لایا بہار باغ فردوس ارم سہرا
دعا یہ ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے دمبدم سہرا

بڑھانے کے لئے زیبائش بزم مسرت کو
گل مضموں کا مینائی بنا لائے ہیں یہ سہرا

## قطعات ہلوری حسب فرمائش ناچیز مرتب

روئے نوشاہ پہ ہے دید کے قابل سہرا
رشک سے دیکھ رہا ہے مہ کامل سہرا

حرکت موج مسرت کا پتہ دیتی ہے
کیونکہ دریائے تمنا کا ہے ساحل سہرا

خیرگی آنکھوں کو ہوتی ہے ضیا باری سے
بن گیا حسن چراغ سر محفل سہرا

بزم گلزار بنی فیض تبسم گل سے !
رنگ لایا ہے ترا لا سر محفل سہرا

منزلت چشم تمنائے پدر سے پوچھو
راحت قلب ہے اور آنکھوں کا ہے تل سہرا

بات شادی کی یہ ہے مست ہے پھولوں سے نسیم
گل کے پہلو میں جو گاتی ہیں عنادل سہرا

اختر حسن کی گوندھی ہے جو تابندہ لڑی
نذر کو لے کے چلا ہے مہ کامل سہرا

روئے نوشا کا مونس ہے انیس ہر دل
کشش حسن سے ہے انس کے قابل سہرا

کیا نفیس اسکی ہیں لڑیاں صفت تاج نسیم
سر پہ دی جائے جگہ ہے اسی قابل سہرا

چاندنی بزم میں پھیلی ہے کہ ہے حسن کی چھوٹ
ہے تجلی سے شبیہ مہ کامل سہرا

راز کہئے کہ نیا اسکو یہ اعجاز بھی ہے
پھر نہ تڑپے جو کبھی دیکھ لے بسمل سہرا

شادی نوشہ کو مبارک بہ طفیل احمد
رخ پہ وہ طلعت کے بنا آرزوئے دل سہرا

اشتیاق دل احباب کہ دیدار کریں
مثل پردے کے ہے بیچ میں حائل سہرا

بادشاہ آج بنا ہوگیا فی بجاہ تبسم
کشور حسن کا پایا جو محاصل سہرا

کیوں نہ مسرور ہوں شادی سے علی احمد بھی
آج رکھتا ہی نہیں مد مقابل سہرا

خیر خواہ رخ نوشاہ بہار گل ہے
باعث زینت و آرائش محفل سہرا

اے جواں بخت مبارک ہو مبارک تجھکو
ضامن عیش ہوا و عیش کا حامل سہرا

چوم لو خامہ رنگین کا منہ اے عشرت
کون لکھے گا بھلا اس کے مقابل سہرا

SHAMIM AHMAD RIZVI

HAKIM S. ALI ZAMIN RIZVI

(*Left*)—Mr S. M. TUFAIL AHMAD

*Mukhtar*

(*Right*)—Mr S. ISHTIAQ HUSAIN RIZVI

*Sub Inspector Police*

# غزلیات پیش طرح

(از جناب عترت پھلوری)

ار فرماں ہیں کسی کے حسن کی رعنائیاں
عشق کی چوکھٹ ہے اور عشاق کی پیشانیاں

لے چلا وادی الفت میں اِدھر جوشِ جنوں
پیشوائی کو اُدھر بڑھنے لگیں رسوائیاں

ر قدم پر اک تقاضا تھا جو حسنِ یار کا
جھک گئیں عشاق کی ہنستی ہوئی پیشانیاں

نت پہلوئے شب فرقت بھی تھے اپنے رفیق
دردِ دل دردِ جگر سوزِ الم بے تابیاں

رہ ذرہ عالم ہستی کا شرح نو سے ہے
ہیں مذاقِ حسن کی ہر سمت جلوہ پاشیاں

گئیں لبھائے انسان پر فسانہ بن گئیں
وہ میری شانِ وفا وہ تیری بے پروائیاں

لی شب ہٹ گئی ظاہر ہوئی صبح جمال
کر چکا گیسوئے رخ محبوب سے اٹکھیلیاں

ونوں عالم میں تزلزل ہیں الٰہی خیر ہو
یار کا اندازِ شوخی اور میری بے تابیاں

ح کوئی بن گیا اور کوئی پروانہ ہوا
دید کے قابل ہیں حسن و عشق کی نیرنگیاں

کروٹیں لیتی ہے عترت موج بحر حسن کی
آرہی ہیں یا کسی محبوب کی انگڑائیاں

## اعجاز۔ جناب سید اعجاز حسین صاحب مدرس

امنا دل سے ہے کس نرگسی پیمانے کا
رنگ کعبہ پہ چڑھا جاتا ہے میخانے کا

فاک پروانہ ہوئی زینت دامانِ صبا
کس سے سرنامہ رقم ہو ہے سرِ افسانے کا

رنگ لائیگی نہ ساقی یہ گلابی تیری
منھ لگا جام ہے یاں اور ہی پیمانے کا

ا ہوئی جاتی ہے یاں چشم تمنائے نیاز
پردہ اٹھتا ہے اِدھر ناز کے کاشانے کا

م نہیں شیشہ نہیں جام نہیں تم جو نہیں
رنگ دیکھو میرے اجڑے ہوئے میخانے کا

آتشِ غم کو ہوا دیتی ہیں آہیں اپنی
اب تو حافظ ہے خدا راز کے کاشانے کا

سہانے سہانے وہ مناظر وہ فضائیں خاموش
لطف پوچھے کوئی دل سے مرے ویرانے کا

سر آنکھوں لگا ہو گئی ہیں چوٹیں دل پر
کعبہ آئینہ ہوا جاتا ہے بتخانے کا

گردشِ دہر کا اعجاز کرشمہ دیکھا
رنگ یگانے میں نظر آتا ہے بیگانے کا

## غزل طرحی

(از جناب عشرت ہاپوری)

بھولا ہوا فسانہ کہو روزگار کا!
سنتا پتا نوال کا کھانا اُدھار کا

زلفِ سیہ کے کھلتے ہی ناگن کا شک ہوا
محفل میں ایک شور ہوا مار مار کا

پھر آج ضبطِ گریہ سے دھوتا ہوں ہاتھ میں
آؤ ذرا تماشہ کرو آبشار کا

بے لطف ہر ثمر ہے وہ ثمرہ ہے ہجر کا
قطرہ لہو کا ہوگیا دانہ انار کا

مانند برق اڑ گیا قاصد کے ہاتھ سے
خط میں لکھا تھا حال دلِ بیقرار کا

خود تک عروسِ نظم کو لانے کے واسطے
محتاج رہتا ہوں میں خیالی کہار کا

ابرو میں تیرے اب نہیں باقی وہ تیزیاں
پانی اتر گیا ترے خنجر کی دھار کا

ڈھلتے ہیں روز شعر ظروفِ گلی کی طرح
یہ طبع کیا ہے چاک ہے گویا کمھار کا

عشرت شراب پیتا ہے واعظ کے بھیس میں
ٹٹی کے آڑ ہی میں مزا ہے شکار کا

# غزلیات مشاعرہ

## قیس ۔ جناب سید حامد حسین صاحب مدرس ہلور

جلوہ ہو روئے یار میں صبح بہار کا
قربان گل ہو دل ہو تصدق ہزار کا

نظریں یہ دو رنگی قدرت کے دیکھئے
حیرت فزا طلسم ہے لیل و نہار کا

بازار مصر صحن گلستاں ہے سر بسر
جادو ہے چار سو گل یوسف عذار کا

محبوب تھا وہ ایسا کہ چشم نیاز میں
سرمہ لگایا یار کے ذرے غبار کا

شانِ خدا کا آئینہ ہے حسنِ روئے یار
حیرت زدہ ہے نقش عروس بہار کا

واقف ہے چشم شوق جو منظر گذر گئے
عالم نہ پوچھو مجھ سے شب انتظار کا

صبر و خرد تو چلدئے شام فراق میں
اک ساتھ رہ گیا ہے دل بے قرار کا

دل میں خیال عارض و گیسو کا ہے بندھا
دورہ حلب کا ہے کبھی ملک تتار کا

دو وطن و وطن پہ لطف خدائے کریم ہو
ہے یہ وظیفہ شام و سحر قیس زار کا

## احسن ۔ جناب سید اظہار الحسن صاحب مدرس تلمیذ جناب عترت صاحب ہلوری

وحشت نے یوں بنا دیا قیدی بہار کا
ڈالا گلے میں طوق گریباں کے تار کا

کیا دلفریب ہیں تری رنگیں نوائیاں
دم بند کر دیا ہے چمن میں ہزار کا

اک رنگ پر قرار نہیں تم کو میری جاں
سیکھا کہاں چلن روش روزگار کا

لکھا تھا اسکی قسمت فرہاد و قیس میں
مالک ہے ایک دشت کا اک کوہسار کا

زلفِ سیہ کو چہرۂ روشن پہ ڈال کے
دامن ملا دیا ہے حلب سے تتار کا

احسن کا مدعا جو نہیں قابل قبول
کچھ تو خیال کر دلِ منت گذار کا

## نذیرؔ ۔ جناب ڈاکٹر سید نذیر احمد صاحب رضوی ہلوری

عکس آج پڑ گیا کہیں رخسارِ یار کا
کتنا حسین پھول ہے صبحِ بہار کا

مقراضِ فکر لاکھ چلی چل کے تھک گئی
دامن ہوا نہ چاک شبِ انتظار کا

اڑ اڑ کے آسماں سے وہ کرتا ہے گفتگو
دیکھو تو حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

توصیفِ چشمِ یار کی مدِّ نظر جو ہے
سودا ہوا ہے مجھکو ہرن کے شکار کا

کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے کہ اے نذیرؔ
کچھ چاندنی سے بڑھ گیا جلوہ غبار کا

## شبیہؔ ۔ جناب شبیہ الحسن صاحب خوشنویس تلمیذ اعجاز ہلوری

اپنا قصور ہے نہ گریباں کے تار کا
پردہ دری تو کام ہے فصلِ بہار کا

آتے ہیں ہر سحر وہ تربت پہ کیا صبا؟
کیوں پھول سرنگوں ہوا میرے مزار کا

غافل جو تجھسے ہو سکے وہ کر لے نیکیاں
کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا!!

آنے سے ان کے اٹھ نہ سکی میری میّت قالب
تعظیم کو غبار اٹھا ہے مزار کا

وحشت میں چاک کیوں نہ کروں اسکو اے شبیہ
دامن ہے تنگ جامۂ لیل و نہار کا

## حیدرؔ ۔ جناب سید لطف حیدر صاحب رضوی ہلوری

کتنا حسین پھول ہے صبحِ بہار کا
قرباں جسپہ قلب و جگر ہے ہزار کا

چھینٹیں نہیں ہیں خنجرِ قاتل پہ خون کی
یہ عکس ہے ہمارے دلِ داغدار کا

یارب تڑپ لوں اور کسی کے خیال میں
بڑھ جائے طول اور شبِ انتظار کا

بلبل کی طرح میں بھی گلوں پر ہوں شیفتہ
نقشہ کھنچا ہوا ہے کسی گل عذار کا

وہ اور ہوں گے پوجنے والے ترے بتو!
حیدرؔ تو ہے غلام شہِ نامدار کا

## فہم ۔ جناب سید ذکی احمد صاحب ہلوری تلمیذ جناب آرزو لکھنوی مقیم کلکتہ

اللہ رے زور آمد فصل بہار کا ۔۔۔ منظر بدل رہا ہے دل داغدار کا

مٹتا ہوا نشان کسی کے مزار کا ۔۔۔ خود آئینہ ہے آپ کے دل کے غبار کا

گھٹتا ہے جتنا طول شب انتظار کا ۔۔۔ شوق اتنا بڑھتا جاتا ہے امیدوار کا

شوق جنوں فزا سے مجھے اپنے ہے یہ خوف ۔۔۔ پردہ نہ چاک ہو کہیں اک پردہ دار کا

جاتا رہا نگاہوں کے ملتے ہی دل مرا ۔۔۔ نذرانہ خوب ادا ہوا دیدار یار کا

لی کس نے ٹھنڈی سانس کہ جلتے ہی بجھ گیا ۔۔۔ پھوٹا ہے کیا نصیب چراغ مزار کا

آرام کچھ وطن کا کچھ احباب کا کرم ۔۔۔ بھولا سا خواب ہے یہ غریب الدیار کا

کھلتے ہی پھول ہونے لگے زخم دل ہرے ۔۔۔ آؤ تمہیں دکھائیں تماشہ بہار کا

حق کہنے میں دریغ کروں کیا مجال ہے فہم
خوف رسن ہے مجھ کو نہ اندیشہ دار کا

## قمر ۔ جناب سید عنایت حسین صاحب ہلوری مدرس (صدر مشاعرہ)

دم بھر رہا ہوں میں جو کسی گلعذار کا ۔۔۔ عالم ہے ہر نفس میں نسیم بہار کا

موج نسیم لائی ہے مژدہ بہار کا ۔۔۔ ہنستا ہے آج پھول چراغ مزار کا

کھینچا لحد نے بعد فنا کتنے پیار سے ۔۔۔ یاد آ گیا مزا مجھے آغوش یار کا

یہ کس کی ٹھنڈی سانس نے اندھیر کر دیا ۔۔۔ گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

داغ جگر کو اور فروزاں کر غم فراق ۔۔۔ روشن رہے چراغ شب انتظار کا

نکلے ہیں شعر سست قمر دل ہے مضمحل ۔۔۔ دورہ تھا تین ہفتے سے فصلی بخار کا

ہوتا ہے شک ہلال کا اب آپ پر قمر ۔۔۔ یوں لاغری نے حال کیا جسم زار کا

## شاہد - جناب سید شاہد حسین صاحب ہلوری تلمیذ جناب عشرت
(از قانونگوئی ٹریننگ اسکول ہردوئی)

کیا حال پوچھتے ہو مرے قلب زار کا / لوٹا خزاں نے آکے خزانہ بہار کا

خاموشیوں سے ہو گیا تصویر درد کی / گرنا وہ ٹوٹ کر مرے اشکوں کے تار کا

لائی ہوا چڑھانے کو چادر غبار کی / اونچا ہوا مزار ترے خاکسار کا

تسکین بخش وعدۂ فردا سہی مگر / دنیا میں اب تو نام نہیں اعتبار کا

ہر لحظہ زندگی کا اسی شغل میں کٹے / یارب زمانہ اور بڑھے انتظار کا

اب تو سنا ہے اور رقیب ہیں امید لطف کیا / تھا وقت اور ہی وہ ترے اعتبار کا

شاہد کا دل ہے یا ہے کوئی صاف آئینہ / نام و نشان بھی نہیں گرد و غبار کا

## جوہر - جناب سید محمد باقر صاحب امیدوار اعلیٰ قابلیت

کچھ رنگ آج اور ہے صبح بہار کا / شاید کہ عکس پڑ گیا رخسار یار کا

اٹکھیلیاں نسیم نہ کر تو سنبھل کے چل / بجھ جائے گا چراغ ہمارے مزار کا

کیونکر نہ تجھکو دل میں جگہ دوں غم فراق / اک تو ہی میہماں ہے اس اجڑے دیار کا

بجلی سی اک چمک گئی آنکھوں کے سامنے / آیا خیال جب مجھے رخسار یار کا

گلزار میں لگا لیا لالے کو سینے سے / دھوکا ہوا جو اپنے دل داغدار کا

کہہ کہہ کے بار بار مکرتا ہزار بار / کیا اعتبار ہو ترے قول و قرار کا

جانا جو حشر میں تو رہو ہر گھڑی خیال / جوہر تمہارے ہاتھ میں دامن ہو یار کا

## عترت ۔ جناب مولانا سید عترت حسین صاحب لوری

ناصح خطا معاف یہ دن ہے بہار کا — اب تو مرید ہوں دل بے اختیار کا
اے محتسب نہ توڑ مرے محتسب نہ توڑ — شیشہ نہیں یہ دل ہے کسی بادہ خوار کا
ملتا نہیں مزاج نسیم چمن کا آج — دامن لئے ہوئے ہے عروس بہار کا
ہمدم کسی کا راز بھی اس میں شریک ہے — کیونکر بیان ہو حال دل بے قرار کا
عارض پہ زلف بکھری ہے اور تل ہے بیچ میں — نقطہ کتاب گردش لیل و نہار کا
ہاتھوں میں جام در پہ نظر اور لبوں پہ قسم — اے مست ناز دیکھ سماں انتظار کا
ناکامئ وصال کا آیا ادھر جواب — یاں سلسلہ بندھا مرے اشکوں کے تار کا
اب ہم کہاں نسیم کہاں سیر گل کہاں — لیتا ہے چٹکیاں وہ زمانہ بہار کا
الجھا ہوا مرا دل صد چاک ہے وہی — شانہ جسے سمجھتے ہیں سب زلف یار کا
رویا کبھی ہنسا کبھی داغ جگر بنا — بجھتا ہوا چراغ شب انتظار کا
وحشت نہ پوچھ وشت نوردی کی لذتیں — بھولا نہیں مزا خلش نوک خار کا

حق حق ادھر تھا نزع میں عترت کا نپر
واں جنبش نگاہ میں عالم تھا وار کا

## عاقل ۔ جناب سید محمد عاقل صاحب قبلہ منشی کامل مدرس

کتنا حسین پہلو ہے صبر و قرار کا — سایہ ملا ہے نزع میں دامان یار کا
دن کو تڑپ تو رات کو اک سوز مستقل — قصہ نہ پوچھئے مرے لیل و نہار کا
بن کر بگولے ان کی گلی کی ہوائیں تک — خاکہ اڑا رہی ہیں ہمارے مزار کا
اشکوں کے تار دیکھ کے دنیا تھی ہنس رہی — اور دم الجھ رہا تھا ادھر ازدار کا

محمل سمجھ لیا جسے وحشت میں قیس نے
پردہ ہی پردہ صرف تھا گرد و غبار کا

ملتے ہی آنکھ نشترِ غم دل میں چبھ گیا
انجام کیا ہو دیکھئے آغاز کار کا

عاقل فریبِ دہر میں ہرگز نہ آئیو
کیا اعتبار عالمِ بے اعتبار کا

## باقرؔ - جناب سید باقر رضا صاحب خوشنویس نوبہار پریس تلہر

ہمدم نہ پوچھ حال دلِ داغدار کا
اک سین خوشنما ہے کسی لالہ زار کا

ہو جلد قطع بھی کہیں اے رشتۂ حیات
ہچکی نہیں پیام ہے یہ وصلِ یار کا

کب عندلیبِ زار قفس سے ہوئی رہا
جب خون کر دیا تھا خزاں نے بہار کا

میت پہ میری بال پریشاں وہ آئے ہیں
کشتہ سمجھ کے گردشِ لیل و نہار کا

بچپن کی سادگی کہاں عہدِ شباب ہے
انداز ہی کچھ اور ہے اب چشمِ یار کا

سینے سے کیوں لگاؤں نہ میں خطِ یار کو
باقرؔ یہ ہے قرار دلِ بیقرار کا

## زرؔ - جناب منشی سید بادشاہ حسین صاحب تلہری مدرس

افسانہ جانتے ہو جسے روزگار کا
وہ اک ورق ہے میرے دلِ داغدار کا

بعد فنا بھی عشق کی سرگرمیاں یہ ہیں
شعلہ بھی حسن بن گیا شمعِ مزار کا

ہستی ہی تار تار ہے ہاتھوں سے عشق کے
کیا ذکر دامن اور گریباں کے تار کا

پردے میں لاکھ بیٹھئے چھپ کر مگر حضور
چھپتا ہے مشک بھی کہیں ملکِ تتار کا

اٹھتے ہوئے شباب کا انداز دیکھ کر
چھوٹے نہ میرے ہاتھ سے دامن قرار کا

مایوسیوں کی رات میں میری بہار کیا
وہ پھول ہوں کہ رنگ ہے جس پر غبار کا

نفرت تھی زندگی میں جنھیں ذکر سے میرے
اب وہ ہیں اور طواف ہے میرے مزار کا

اک ظلم ہے کہ پہلوئے گل سے ہو زرؔ جدا
کیوں کیا کوئی قصور ہے اس خاکسار کا

## نسیم ۔ جناب سید اقبال رضا صاحب سکریٹری بزمِ ادب صفی پور

سوزِ دروں سے حال یہ ہے قلبِ زار کا
جلتا اک چراغ شبِ انتظار کا

دنیا قفس کی اور ہے صیاد کچھ نہ پوچھ
کیا جانے کب گذر گیا موسم بہار کا

اب کسکو ہوش کہتے ہیں لہرا کے گر پڑا
متوالا دل تھا جنبشِ گیسوئے یار کا

وحشت میں ٹکڑے اپنے گریباں کے اڑ گئے
ناخن نے یوں حساب لیا تار تار کا

قطرہ نہیں پسینے کا زیبِ جبینِ ناز
تارہ چمک رہا ہے یہ صبحِ بہار کا

دیکھو زمانہ آ گیا ساقی کی بزم میں
اعجاز ہے یہ جذبۂ ابرِ بہار کا

کب آئیے مژدہ دیکھئے اس گل کو وصل کا
ہے منتظر نسیم نسیمِ بہار کا

## اعجاز ۔ جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب مدرس ہلور

کچھ ذکر چھیڑ کر رخ و گیسوئے یار کا
قصہ کر دو تمام ابھی لیل و نہار کا

ٹھنڈی ہوا ہے رنگ جما ہے بہار کا
دل لے رہا ہے کروٹیں بادہ گسار کا

ٹھوکر سے ان کی سرمۂ چشمِ فلک بنی
دیکھو تو اوج میری لحد کے غبار کا

آنسو بہا کے کرتے ہو کاجل کا خون کیوں
اظہارِ حال کر چکا تو قلبِ زار کا

فرقت میں زلفِ یار کا منظر لئے ہوئے
تسکین دے رہا ہے اندھیرا مزار کا

امید ہی امید میں سوئے نہ تا سحر
کیسا طلسم تھا یہ شبِ انتظار کا

مجھ سے نہ پوچھو برق کے جلوے کو دیکھ لو
آئینہ ہے وہ میرے دلِ بیقرار کا

ناوک کہوں سناں کہوں خنجر کہوں کہ تیغ
بتلاؤ نام سرمۂ دنبالہ دار کا

احسان مند ہو گیا اعجاز پی کے آج
ساغر کا مے کا ساقی کا فصلِ بہار کا

## قیسؔ ـ جناب سید حامد حسین صاحب ضیالوری مدرس پرائمری

پروانے قلب شمع کے اور برہمن کے ہیں
شمع رو حسین چراغ انجمن کے ہیں

جھلکتی ہے وہ کبھی الجھی کبھی کھنچی ہے ناز سے
تیغ ادا میں طرز عجب بانکپن کے ہیں

کوچۂ صنم کی گردشیں ہیں فنا ہی ہم
طالب نہ گور کے ہیں نہ خواہاں کفن کے ہیں

روشن ہے شمع عشق گل داغ کھل گئے
اس دل کی انجمن میں مناظر چمن کے ہیں

یوسف لقا کے ہجر میں روتا ہوں اتدنا
آثار میرے گھر میں بھی بیت الحزن کے ہیں

دونوں جہاں کی فکر نہیں گو بشر ہیں ہم
انداز طرز اور ہی اہل سخن کے ہیں

جلتا ہے سوز ہجر حسیناں میں قلب زار
اس کے گواہ آبلے کام و دہن کے ہیں

جور و جفا سے کردیا عشاق کو فنا
انداز ان حسینوں میں چرخ کہن کے ہیں

خوف فنا ہے بندۂ عاجز کو کچھ نہیں
ہم بھی غلام قیس حزیں پنجتن کے ہیں

## عزتؔ ـ جناب توقیر حسن صاحب ضیالوری تار بابو تھاوے ضلع بلیان

سب پوچھتے ہیں داغ یہ کس تیغ زن کے ہیں
پہلو میں لاکھ ٹکڑے دل پرمحن کے ہیں

وہ پتیاں صبا کی عنایت سے مل گئیں
حاصل قفس میں بھی مجھے ساماں چمن کے ہیں

ملتی ہے جھاک کے چلتی ہے رک رک ادا کے ساتھ
انداز تیری تیغ میں بھی بانکپن کے ہیں

مجھکو دکھا کے توڑنا جام شراب کا
انداز یہ عجیب مرے دل شکن کے ہیں

بکھری ہے زلف چاند سے چہرے پہ دیکھیے
خیرات دیجیے رکھ کہ نشان یہ گہن کے ہیں

اچھا تری بھی اے لب خاموش ضد سہی
یارب حجابش مژہ میں طریقے سخن کے ہیں

عزتؔ مشاعرے میں غزل بھیجیے ضرور
مشتاق اہل بزم تمہارے سخن کے ہیں

مجبور ہوں یہ عذر کی ہمت نہ ہو سکی
احسان میرے سر پہ شبیہ الحسن کے ہیں

## اعجاز — جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب مدرس الور

آئے جو شوقِ سیرِ چمن میں وہ بن کے ہیں
کچھ ہم بھی آج بیٹھے ہوئے دل میں ٹھن کے ہیں

پروانے شمعِ حسنِ رُخِ ضوفگن کے ہیں
جو حاشیہ نشین تری انجمن کے ہیں

بیکس کی لاش خاکِ بیاباں نے لی چھپا
احسان مجھ پہ کچھ نہیں گور و کفن کے ہیں

آب و ہوا ہے اور ہی رنگِ فضا ہے اور
پھولوں سے بڑھ کے حسن میں کانٹے وطن کے ہیں

دردآشنا ہو کوئی نہ غمخوار ہے کوئی
کس سے کہوں جو دُکھڑے دلِ پُرمحن کے ہیں

چیں بر جبیں ہو گئے سیدھی سی بات پر
انداز یہ تو سروِ چمن بانکپن کے ہیں

پانی میں آگ لگ گئی موجیں تڑپ اٹھیں
دستِ حنائی حوض میں کس گلبدن کے ہیں

اعجاز دیکھنے کے لئے چاہیئے نظر
اُگلے ہوئے گہر یہ ہمارے دہن کے ہیں

## نسیم — جناب سید اقبال رضا صاحب سکریٹری بزمِ ادب الور

کچھ شوخ ایسے رنگ بہارِ چمن کے ہیں
بے چین قلب سینوں میں توبہ شکن کے ہیں

ہنس ہنس کے آج لوگ مجھے دیکھتے ہیں یوں
کیا رنگ ڈھنگ مجھ میں بھی دیوانہ پن کے ہیں

چاہیں تو دم میں سارے بگولوں کو پھونک دیں
آوارہ گرد ہم بھی محبت کے بن کے ہیں

تنکوں کو جمع کر کے نشیمن بنائیں کیا!
جلوے نظر میں برقِ سیہ پیرہن کے ہیں

فصلِ بہار آ گئی جوشِ جنوں بڑھا
پھر تار تار آج مرے پیرہن کے ہیں

یہ کہہ کے سینے جامۂ ہستی جسد کیا
مشتاق تیرے چاہنے والے کفن کے ہیں

رہ رہ کے ایک ہوک سی اُٹھتی ہے قلب میں
غربت میں اضطراب یہ حبِ وطن کے ہیں

شکریہ کس زبان سے ادا میں کروں نسیم
بزمِ ادب میں خلق شنیدہ اُن کے ہیں

## عترت ۔ جناب مولانا سید عترت حسین صاحب رضوی پوری

شکوے عبث یہ گردشِ چرخِ کہن کے ہیں
ہم تو ستائے اس نگہِ سحر فن کے ہیں

خط میں یہ حرف ہیں کہ شگوفے چمن کے ہیں
طغرا نویس ہم کسی گل پیرہن کے ہیں

ساقی خبر لے دن یہ بہارِ چمن کے ہیں
شاخوں میں پھول جام شرابِ کہن کے ہیں

شاید مقابلہ ہے دُرِ گوشِ یار کا
اڑتے ہوئے جو رنگ سہیلِ یمن کے ہیں

ابروئے ماہ نو کا اشارہ ہے چرخ پر
دیکھو خمیدگی میں مزے بانکپن کے ہیں

دل میں خزانہ درہمِ الفت کا چاہئے
بازار عشق میں یہی سکے چلن کے ہیں

سیدھے ہوئے نہ سوزِ تپ سے بھی کج سرشت
دیکھو تو آگ میں بھی وہی بل رسن کے ہیں

اشکوں کے تار ٹوٹ کے دامن پہ پھیلے ہیں
ہم آج منتظر کسی وعدہ شکن کے ہیں

ہے ماہتاب جلوۂ رخسار پر غضب
انجم تمام ذرّے تری انجمن کے ہیں

گندم کے سینے شق ہوئے ہجرِ بہشت میں
نازاں ہوں کیا یہ داغ محبت وطن کے ہیں

یہ کہہ کے شمعِ روح بجھی جسمِ زار سے
ساماں تمام خاک اب اس انجمن کے ہیں

رہ رہ کے ان کی یاد کھٹکتی ہے قلب میں
پھولوں سے بھی عزیز جو کانٹے وطن کے ہیں

عترت بگولا بن کے وہ اڑتی ہے دشت میں
انداز میری خاک میں دیوانہ پن کے ہیں

**تمام شد**

باہتمام فیض محمد خاں

۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہوا